لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

حکمتِ نبوی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اس طرح اجتماعی اور سیاسی لوازم میں سے بھی ہے، بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلہ میں ایک صاحبِ اقتدار اور ایک بادشاہ کے جھوٹ کو کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ آپ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل آپ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کیجا سکتی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گذارا اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گذارا۔ اس دوران میں آپ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور تجارتی معاہدے کرنے پڑے، دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں، عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے۔ قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے، آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں اور سیاسی گفتگوؤں کے لئے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے، یہ سارے کام آپ نے انجام دئے، لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا، کسی معاہدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا۔ اور دشمنوں کے ساتھ بد سے بد تر حالات میں بھی انصاف کیا۔ اگر آپ دنیا کے مدبرین اور اہلِ سیاست کو اس کسوٹی پر جانچیں تو میں پورے اعتقاد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے، پھر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سیاست میں کبھی کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا، اب آپ اس چیز کو چاہے تدبیر سے تعبیر کیجئے یا حکمتِ نبوت سے۔

(مولانا امین احسن اصلاحی)

سالانہ چندہ: بیس روپے

۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء

Regd No. LW/NP 58

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

Phone: 42948 / 40767

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW 230007 (INDIA))

عالم اسلام ــــ دفاعی اخراجات

۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک سات سال کے عرصے میں مسلم ممالک نے سرمایہ دار مغربی ممالک اور روس [illegible] ممالک سے [illegible] ہتھیار [illegible] سامان خریدا۔ ۱۹۷۰ء میں [illegible] دفاعی اخراجات [illegible] ارب [illegible] کروڑ ڈالر تھے جبکہ سات برس بعد [illegible] مسلم ممالک کے دفاعی اخراجات [illegible] ڈالر سالانہ ہو گئے۔ [illegible] اخراجات کے باوجود مسلم ممالک میں سے کوئی بھی ملک [illegible] طاقت نہیں بن سکا [illegible] مختلف مسلم ممالک کے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے دفاعی اخراجات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نام ملک	۱۹۷۰ء	۱۹۷۷ء
۱۔ ایران	[illegible]	۳ ارب ۹۲ کروڑ
۲۔ سعودی عرب	[illegible]	[illegible]
۳۔ مصر	[illegible]	[illegible]
۴۔ لیبیا	[illegible]	[illegible]
۵۔ کویت	[illegible]	[illegible]
۶۔ نائجیریا	۵۵ کروڑ	[illegible]
۷۔ عراق	[illegible]	[illegible]
۸۔ شام	[illegible]	[illegible]
۹۔ عمان	۳ کروڑ	۸۵ کروڑ
۱۰۔ انڈونیشیا	[illegible]	[illegible]
۱۱۔ پاکستان	[illegible]	[illegible]
۱۲۔ [illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۳۔ مراکش	[illegible]	[illegible]
۱۴۔ الجزائر	[illegible]	[illegible]
۱۵۔ متحدہ عرب امارات	..	[illegible]
۱۶۔ تیونس	۳ کروڑ	[illegible]
۱۷۔ برونئی	[illegible]	[illegible]
۱۸۔ اردن	[illegible]	[illegible]
۱۹۔ بنگلہ دیش	—	[illegible]
۲۰۔ افغانستان	۲ کروڑ	[illegible]
۲۱۔ کیمرون	۳ کروڑ	[illegible]
۲۲۔ لبنان	[illegible]	[illegible]
۲۳۔ شمالی یمن	[illegible]	[illegible]
۲۴۔ جنوبی یمن	[illegible]	[illegible]
۲۵۔ بحرین	۳ کروڑ	[illegible]
۲۶۔ سوڈان	[illegible]	[illegible]
۲۷۔ موریطانیہ	[illegible]	[illegible]
۲۸۔ یوگنڈا	[illegible]	[illegible]
۲۹۔ سینیگال	[illegible]	[illegible]
۳۰۔ گنی	[illegible]	[illegible]
۳۱۔ مالی	[illegible]	[illegible]
۳۲۔ چاڈ	[illegible]	[illegible]
۳۳۔ [illegible]	[illegible]	[illegible]
۳۴۔ صومالیہ	[illegible]	[illegible]

سوداگر مکسچر کے اسپشلسٹ

عباس علاءالدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

44, Haji Building, S. V. Patel Road, Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele: Add. CUPKETTLE
Phone: SHOP: 862220 RESI: 378054

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

۴۴- حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء — ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۴

نرخِ تعاون

اندرون ملک	بیس روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بحری ڈاک جملہ ممالک	۵ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۶ پونڈ
افریقی ممالک	۸ پونڈ
یورپ و امریکہ	۱۰ پونڈ

تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

چودھویں صدی کے وسط کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب عالم اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی، بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی اور بقول اقبال ؎

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا — سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے — تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عالم اسلام میں ایک طرف نمایاں طریقہ پر سیاسی شعور بیدار ہوا، غیر ملکی اقتدار کے خلاف جابجا آزادی کا علم بلند کیا گیا، جس کے نتیجہ میں مصر، شام (اپنے تمام حصوں کے ساتھ) عراق، لیبیا، تونس، الجزائر اور مراکش آزاد ہوئے، افریقہ میں نئی نئی مسلم حکومتیں قائم ہوئیں، انڈونیشیا اور ملیشیا نے آزادی حاصل کی۔ پاکستان کی عظیم اسلامی مملکت کا وجود عمل میں آیا، ہندوستانی مسلمانوں نے جنگ آزادی میں شریک ہو کر اور قربانیاں دے کر، سیاسی شعور اور حب الوطنی کا ثبوت دیا اور بالآخر دنیا کے سیاسی نقشہ پر ۵۴ سے اوپر آزاد مسلم ممالک اور سلطنتیں نمودار ہوئیں، جن میں سے ۴۴ اقوام متحدہ کی ممبر ہیں اور ان کے جھنڈے یونائیٹڈ نیشن کی پرشکوہ عمارت پر لہرا رہے ہیں، مسلمان اقوام متحدہ میں بھی اور بین الاقوامی مسائل و مذاکرات میں بھی اور دنیا کے سیاسی ترازو کے پلڑے میں بھی اپنا ایک خاص وزن رکھتے ہیں اور اگر ان کا سیاسی شعور بالغ اور ان کو اپنی سیاسی طاقت و وزن کا احساس ہو اور وہ متحد ہو جائیں تو دنیا میں بہت سی ناانصافیوں کو روک سکتے ہیں، بہت سی کمزور اور مظلوم قوموں اور ملکوں کی مدد کر سکتے ہیں اگر خدا ان کو خدا ترس، مخلص قائد و سربراہ عطا فرمائے، یا اس کے قائدین اور سربراہانِ مملکت کو توفیق اور ہدایت نصیب فرمائے، تو وہ ان اسلامی ممالک اور اپنے دائرۂ حکومت میں صحیح اسلامی حکومت قائم اور نظام شرعی کو نافذ اور جاری کر سکتے ہیں اور اپنی قلمرو اور حدودِ حکومت میں وہ معیاری مسلم معاشرہ، اور وہ پاکیزہ، بلند کردار، اطاعت شعار، ذمہ دار اخلاقی و روحانی ماحول پیدا کر سکتے ہیں، جس کی مثالیں صرف تاریخ کے صفحات میں صدیوں کے فاصلے سے نظر آتی ہیں اور جن سے دنیا یکسر مایوس اور خود مسلمان غافل اور مستغنی ہو چکے ہیں اور جو آج بھی ذہنِ انسانی کو چونکانے اور مغرب و مشرق کے بلاکوں کو مسئلہ پر غور کرنے پر مجبور اور اشاعت اسلام کے لئے ایک نیا راستہ ہموار کر سکتا ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے سیاسی وزن و اہمیت کا صحیح استعمال کرنے کا عزم کر لیں، اور اپنے فرائض و ذمہ داریوں کا مکمل طریقہ پر احساس کریں تو وہ اس انسانیت کو بھی تباہی سے بچا سکتے ہیں، جس کی قسمت کے مالک بزعم خود مغربی و مشرقی بلاک بنے ہوئے ہیں، اسی طرح ہندوستان میں بھی وہ اپنی دانش مندی، اتحاد اور اخلاقی طاقت سے نہ صرف اپنے ملی حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں، بلکہ ہندوستان کو بھی ایک نئی اخلاقی، روحانی قیادت عطا کر کے اس عام تباہی سے بچا سکتے ہیں، جو روز افزوں سیاسی انتشار اور خطرناک اخلاقی بحران کی بنا پر اسکی طرف منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہے۔

دوسری طرف عالم اسلام میں وہ چند وسیع و طاقتور، اصلاحی، فکری اور انقلابی تحریکیں پیدا ہوئیں، جن کی نظیر اپنی وسعت و قوت میں ماضی قریب میں بھی ملنی مشکل ہے، ان تحریکوں کا ایک درخشاں اور امید افزا پہلو یہ ہے کہ وہ ایک طرف خواص، ذہین، (INTELLECTUAL) طبقہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور اس طبقہ کو مطمئن کرنے، اور اس کا اسلام پر اعتماد بحال کرنے کے لئے واضح اور پرکشش علمی مواد فراہم کرتی ہیں، دوسری طرف ان کا دائرہ جغرافیائی حدود سے آزاد ہے، اور وہ عالم اسلام کے ایک بڑے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ ان تحریکوں سے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ پہلی مرتبہ نہ صرف متاثر بلکہ اپنے دیرینہ سال ہم مذہبوں کے مقابلہ میں ان کا زیادہ پرجوش داعی اور مبلغ ہے، اس سلسلہ میں مصر کی عظیم و جلیل تحریک "الاخوان المسلمون" ترکی کی نوری تحریک و جماعت، اردن و فلسطین کی تحریک "حزب التحریر" انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی، برصغیر کی عالم گیر تبلیغی دعوت، اور تحریک جماعت اسلامی کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے جن سے خواہ کسی کو کلی اتفاق نہ ہو، ان کی اثر انگیزی اور وسعت و مقبولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوانوں میں اس ایمان افروزی، ہمت آفرینی، اور خود شناسی میں اقبال کے ولولہ انگیز اور خیال افروز کلام کا بھی بڑا دخل ہے، جس کی (اپنی قوت و تاثیر اور عالمگیری میں پچھلی صدیوں کے اسلامی ادب و شاعری میں) مثال نہیں ملتی۔

پندرہویں صدی اب پورے عالم پر سایہ فگن ہو گئی ہے، اگر ملت اسلامیہ اور عالم اسلام اس عظیم سرمایہ اور اس اعتقادی، فکری، علمی، سیاسی، طبعی اور انسانی ثروت و صلاحیت، طاقتور تحریکوں اور کثیر التعداد آزاد ملکوں، اور وسیع سلطنتوں سے بھی محروم ہوتا جس کی طرف کچھ مختصر اشارے اوپر کئے گئے ہیں، تب بھی خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہ تھی کہ اسکے پاس قرآن مجید کا یہ صحیفہ اور اللہ کا آخری اور ابدی دین (اسلام) موجود ہے جس کی وجہ سے ہر زمانہ میں ملت کے تن مردہ اور قلب افسردہ میں زندگی کی نئی روح پیدا ہوتی رہی ہے اور معجزات و عجائبات کا ظہور ہوا ہے۔

مسلمان ہی اس دور میں تنہا انسانیت کی امیدوں کی پناہ گاہ، خدا کا آخری پیغام اور انسانیت کے امین و پاسبان ہیں، شاید یہ صدی ایک ایسا فیصلہ کن موڑ لائے جو پورے عالم انسانی پر اثر انداز ہو، اللہ کی رحمت سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے، انسانیت کی زبوں حالی، انسانوں کی ذلت و نگوں ساری، اپنے آخری نقطہ پر پہونچ چکی ہے، یہی وقت ہوتا ہے جب رحمتِ الٰہی بلکہ غیرت الٰہی کو حرکت ہوتی ہے اور دنیا میں کوئی بڑا انقلاب آتا ہے۔

"مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے، وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنا پر نہیں جی رہی ہے، بلکہ اس لئے کہ بد قسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اس کی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں، اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر اور اس

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

ایثار

اور ایک دوسرے کا تعاون و دل داری

مولانا سید عبدالحی حسنی

آیات:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (حشر۔ ۹)	اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔
وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۔ (دہر۔ ۸۔ ۹)	اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے۔ فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکر گذاری کے (طلب گار)۔
وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ۔ (اللیل۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰)	اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ (اس سے) بچا لیا جائے گا، جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو، اور اس لئے نہیں (دیتا کہ) اس پر کسی کا احسان (ہے) جس کا وہ بدلا اتارتا ہے بلکہ خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔
لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ (آل عمران ۹۲)	(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز تم صرف کرو گے خدا اس کو جانتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا اللہ کے نبی! میں فقر و فاقہ کا مارا ہوں، آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس بھیجا کہ کچھ ہو تو لاؤ۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغام حق لے کر بھیجا ہے پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں، اس کے بعد آپ نے دوسری بیوی کے یہاں بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا حتیٰ کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے یہاں سے یہی جواب آیا، آپ نے فرمایا، آج کی رات کون اس شخص کی مہمانی کرے گا؟ حضرات انصار میں سے ایک صاحب نے فرمایا۔ اللہ کے نبی! میں! چنانچہ اس شخص کو لے کر وہ اپنے خیمہ کی طرف گئے، اور اپنی اہلیہ سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی ضیافت کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اہلیہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں صرف بچوں کا کھانا پکا ہوا ہے۔ ان انصاری نے اہلیہ سے کہا بچوں کو کسی طرح بہلا دو، اور جب وہ رات کا کھانا مانگیں تو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلا دو، اور جب ہمارا مہمان کھانے کے لئے بیٹھے تو چراغ بجھا دو اور ہم مہمان پر ایسا ظاہر کریں گے کہ گویا ہم بھی کھانے میں شریک ہیں چنانچہ کھانے بیٹھے مہمان نے کھانا کھا لیا اور ان دونوں نے بھوکے رہ کر رات گزار دی، جب صبح کو وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا آج کی رات اپنے مہمان کے ساتھ تم دونوں کے سلوک سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوئے۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت بُنی ہوئی چادر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اللہ کے نبی! آپ کو پہنانے کے لئے یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر قبول فرما لیا اس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی، پھر وہی چادر زیب تن فرما کر ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے، ایک شخص نے کہا یہ چادر آپ ہمیں عنایت فرما دیں، یہ تو بڑی خوبصورت ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ مجلس میں بیٹھ گئے کچھ دیر بعد واپس تشریف لے گئے اور چادر تہہ کر کے اس شخص کو بھیج دیا، لوگوں نے اس شخص سے کہا تم نے یہ اچھا نہیں کیا! آپ نے اس کو زیب تن فرمایا اور اس وقت آپ اسکے حاجتمند تھے، تم نے آپ سے یہ چادر مانگ لی حالانکہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو واپس نہیں فرماتے اس شخص نے کہا میں نے یہ چادر پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ اس لئے مانگا کہ مرنے کے بعد یہی میرا کفن ہو۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ یہی چادر ان کا کفن بنی۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ اسی اثنا میں ایک شخص اپنی سواری پر سوار ہو کر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کوئی سواری فاضل ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زادِ راہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہ ہو، پھر آپ نے مختلف قسم کے مالوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم یہ محسوس کرنے لگے کہ ضرورت سے زائد چیز میں ہم میں سے کسی کو کوئی حق نہیں، (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشعری کے اخراجات جنگ جب کم ہو جاتے تھے اور مدینہ میں رہنے والے ان کے اہل و عیال کا کھانا پینا بھی کم ہوتا تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا اس کو ایک کپڑے میں جمع کرتے اور پھر ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر لیتے، وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

دُعائے مغفرت کی درخواست

مولوی غیاث الدین صاحب ندوی انچارج مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے والد بزرگوار منشی بشیر الدین صاحب تنظیمی کا اپنے وطن بارا عیدگاہ پورنیہ بہار میں ۲۶ نومبر بروز چہار شنبہ کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا، مرحوم ایک دیندار اور باحمیت آدمی تھے اور زندگی کا بیشتر حصہ تدریس میں گذارا، اپنی کاوشوں سے اس علاقہ میں مسلمان بچوں کے لئے دینی تعلیم کے مدارس قائم کئے اور ماشاء اللہ وہ برگ و بار بھی ہوئے۔ ان ہی میں مدرسہ نور الاسلام جلپا پور نیپال ہے جہاں ندوۃ العلماء کا نصاب تعلیم رائج ہے۔ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدینہ یونیورسٹی مدینہ کے فارغ التحصیل طلبہ تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مرحوم نے بینائی کی کمزوری کے باعث تقریباً دو سال قبل تدریس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ قارئین تعمیر حیات سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

کی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں، یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں، اب اگر اسلامی ممالک اور عالم اسلام مجموعی طور پر اس خلا کو پُر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالم انسانی میں پیدا ہوگا، تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جا سکتا ہے، جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جری و قوی اور تازہ دم ملت یا قیادت کے سپرد کیا جاتا رہا ہے۔ اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کیا مغرب کی دائمی غاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے، یا دنیا کی رہنمائی کا منصب عالی، اور عالم انسانی کی ہدایت کی مسند رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھ کر کوئی سرفرازی اور سربلندی نہیں، کیا اس کے لئے ظاہری نام و نمود، عہدہ و منصب، لذت و راحت اور مادی و جسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے، اگر اس کے لئے سو جانیں بھی قربان کی جائیں تو در حقیقت گھاٹے کا سودا، اور زیان و نقصان کا معاملہ نہیں ہے

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں"

میں اس مخلصانہ پیغام کو اقبالؔ کے ان روح پرور، اور حیات آفریں اشعار پر ختم کروں گا، جن میں انھوں نے مسلمان کو مخاطب کر کے کہا ہے ؎

ناموس ازل را تو امینی تو امینی — دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہبائے یقیں درکش و از دیر گماں خیز

از خواب گراں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

محمد تنویر خاں تنویر

جائزہ

مختلف اقوام عالم سے ترا انداز ہے — لَے ہے تیری سرمدی، پرسوز تیرا ساز ہے
تیری ٹھوکر میں ہے دنیا تو ہے نازِ کردگار — آسماں سے بھی پرے تیری حدِ پرواز ہے
کیوں مگر پہلا سا اب نورِ یقیں دل میں نہیں؟ — کیوں ترا اب سازِ ہستی آج بے آواز ہے؟
کیوں ترے بازو میں زورِ حیدری باقی نہیں؟ — کیوں ترا کردار بے جاں، مضمحل پرواز ہے؟
کیوں بلندی پر نظر آتے نہیں شاہیں ترے؟ — کیوں فریبِ دامِ ہستی اب ترا شہباز ہے؟
کیوں حرم کے پاسباں مائل بہ پستی ہو گئے؟ — اور اسرائیل کیوں آج اتنا سرافراز ہے؟
آگ کے شعلوں میں ہے لپٹا ہوا ایران کیوں؟ — اور عراقی خون میں لتھڑے ہیں یہ کیا راز ہے؟
کیوں دیارِ ہند میں ارزاں ہوا تیرا لہو؟ — کیوں مسیحائے وطن خاموش دیدہ باز ہے؟
سحرِ امریکہ سے ہیں مسحور فرزندانِ نیل — طاقتِ فرعونِ پراں کو ابھی تک ناز ہے
اب ہیں پیرانِ کلیسا شادماں، خندہ بہ لب — مسجد اقصیٰ اسیرِ دامِ فتنہ ساز ہے
غزنی و کابل کے گلشن ہو گئے تاراج اب — روس کی حلقہ بگوشی تفرقہ پرداز ہے
جاگ اے مردِ مسلماں اب گراں خوابی سے جاگ — دیکھ مشرق سے نئی اک صبح کا آغاز ہے
ہے زمانے کو ترے افکارِ تازہ کی تلاش — "اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے"
اک ذرا سوزِ نفس کو کیمیا اپنے بنا — تو نگاہِ اہلِ عالم میں ابھی ممتاز ہے
پھر اذاں میں تیری گونجیں اندلس و اسپین میں — اہلِ یورپ پھر کہیں تو زمزمہ پرداز ہے
کر عطا عشقِ نبیؐ، عدلِ عمرؓ، علمِ علیؓ — اے خدائے لم یزل تو ہی مقدر ساز ہے

اک نگاہِ لطف سے تنویرؔ کو بھی شاد کر
یہ ترے در کا بھکاری اس کو تجھ پر ناز ہے

لحمینہ
سرگرم اور پُرجوش زندگی گزارنے کے لیے"

کھوئی ہوئی طاقت و توانائی حاصل کرنے کے لیے لحمینہ لیجیے! جسے بارہ سو سے زیادہ دوائیں بنانے والے ہمدرد نے طویل عرصہ کی تحقیق اور تجربات کے بعد تیار کیا ہے۔

لحمینہ ان چالیس اجزا کا مرکب ہے جو عضلات اور اعصاب کو نئی قوت و تازگی دیتے اور ان کو صحیح کارکردگی کے لیے محرک کرتے ہیں۔ آپ کو اگر ایک چست و توانا جسم کی ضرورت ہے تو لحمینہ آزمائیے۔ اسے آپ کامیاب پائیں گے اور نتیجے میں آپ بھی کامیاب ہوں گے۔

لحمینہ
مَردوں اور عورتوں کے لیے
کلیدی اعضاء کی قوت

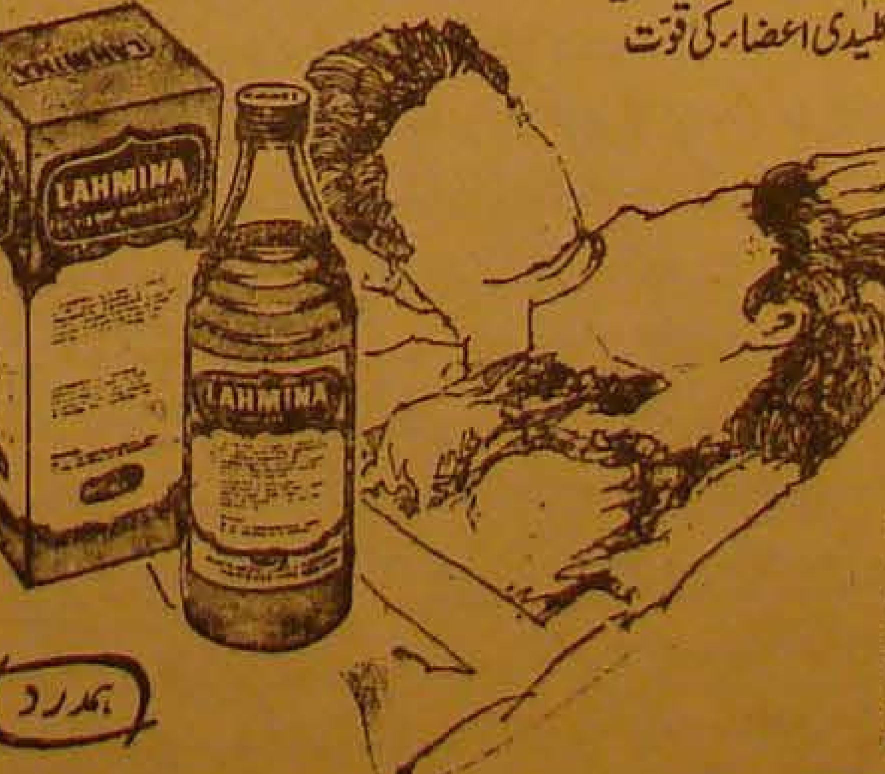

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی پیش کش
ڈرائی فروٹ برفی
بک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابلِ اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی فون 320059
برانچ: ۲۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

سیاست کے اسلامی اصول

مولانا سید محمد رابع ندوی، صدر شعبۂ ادب عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء
ترجمہ: عبد الرشید اورنگ آبادی ندوی

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاست و دعوت جنھیں ہم مسلمان ایک امر دینی ہونے کی حیثیت سے اپنی زندگی کے اہم ترین جز خیال کرتے ہیں۔ دونوں اپنے اندر حالات کو بدلنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں باوجودیکہ دونوں کے طریقہ کار جداگانہ اور مختلف ہیں۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ داعیان اسلام مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے دعوت و سیاست کے اسباب و دواعی کی تہہ تک پہونچنے کی کوشش کریں اور ان کے نشیب و فراز پر گہری نظر رکھیں۔

یہ ہماری سخت غلطی ہوگی اگر ہم معاملہ کی تفتیش، زمانے کے تغیرات اور دعوت و سیاست کے پہلوؤں پر غائرانہ نظر رکھنے کے بجائے صرف خواہشات اور آرزوؤں کے ریگزاروں میں بھٹکتے رہیں اور حالات کے نشیب و فراز سے قطع نظر ان خواہشات کو بروئے کار لانے کے لئے - Short cut - راستے کی تلاش میں کوشاں و سہل ترین راستے کی جستجو میں سرگرداں رہیں۔

راستہ کتنا ہی طویل ہو اور حالات کتنے ہی نازک ہوں لیکن دعوت کے طریقہ کار کو جہد مسلسل، عمل پیہم، حکمت عملی اور حسن اخلاق کے خطوط ہی پر منظم کرنا ہوگا، لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بدلتے ہوئے حالات پر گہری نظر رکھی جائے، ایسی اسکیم بنائی جائے جو وقت نظر اور سلامت فکر کی حامل ہو اور جو حالات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ہی اپنے طریقہ کار کو اپنانے کی صلاحیت رکھتا ہو، آپ معرکۂ جنگ میں دیکھتے ہیں کہ الحرب خدعۃ کے پیش نظر دیگر چیزوں کے مقابلہ میں دشمنوں کی اسکیم اور پلان پر گہری نظر رکھنی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ذکاوت و ذہانت اور فہم و فراست کی گہرائی سیاست کا اہم ترین عنصر سمجھا جاتا ہے اور بتقاضائے حال کبھی سیاست شعلہ کی شدت اختیار کر لیتی ہے تو کبھی شبنم کی سی ٹھنڈک سے دشمنوں کے دل جیتنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی شمشیر و سناں کے زور پر دشمنوں کو جھکنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو کبھی صرف دفاع میں بہتری سمجھی جاتی ہے اگر بعض وقت رحمت خداوندی شامل حال نہ ہو تو انسان اپنی فطری کمزوری کی بنا پر مادیات کے تیز دھارے میں بہہ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سیاست میں نفسانی رجحانات اور مادی اغراض سے بچنے کے لئے فکری بیداری اور ذاتی تحفظ بہت ضروری ہے۔

اب اگر گذشتہ ادوار میں دینی کوششیں سیاست سے الگ ہو کر صرف دعوت و صبر کے طریقہ کار تک محدود رہی ہیں تو شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ سیاست کے میدان میں کبھی کبھی انسان ذاتی مصالح اور مادی اغراض کے خارزار سے اُلجھ جاتا ہے۔ چونکہ دعوت و تبلیغ کی تنظیم، جہد مسلسل، صبر پیہم، قوت برداشت اور دعا و اخلاص کے خطوط پر ہوتی ہے لہٰذا نوید قرآنی "ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ" (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی)۔

اسی طرح "ان تکونوا تألمون فانھم یألمون کما تألمون وترجون من اللّٰہ ما لا یرجون" (اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور تم اللہ تبارک و تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے) کے پیش نظر اگر منزل مقصود تک رسائی ہوتی ہے تو نہہا ورنہ اجر و ثواب کی عطر بیزی سے استفادہ تو یقینی ہے۔

یہی وہ موڑ ہے جہاں دعوت و سیاست کا حسین امتزاج نظر آتا ہے اور یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ تاریخ انسانی میں پہلی بار اسلام نے دعوت و سیاست کو میدان عمل کے گلدان میں سجا کر دنیا والوں کے سامنے ایک حسین گلدستہ پیش کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سیاست و دعوت کا امتزاج تاریخ انسانی میں پہلی بار ہوا جو ایک طرح سے نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ سیاست کی بنیاد صرف حصول منفعت پر ہے اور دعوت کی بنیاد حصول منفعت سے قطع نظر صرف اخلاص پر ہے اسی وجہ سے اسلام میں سیاست و دعوت کو جدا نہیں کیا گیا، تاریخ بتاتی ہے کہ کئی مرتبہ دانشوران سیاست و رہبران دعوت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے ہیں۔

رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ منافقین جو جاں نثار اسلام اور فداکاران دین کے مال میں حصہ بٹاتے ہیں وہ اسلامی معاشرے کے تناور درخت کی جڑوں کو کھوکھلی اور اسلام کے قلعہ کو زمین بوس کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے اصولاً کوئی انتقامی کارروائی نہیں فرمائی، آخر کیوں؟ اس لئے کہ وہ لوگ آپ کے اعزا میں تھے یا آپ کے احباب تھے؟ نہیں بلکہ دعوت اسلامی کا اس وقت یہی تقاضا تھا کہ آپ اس وقت ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ فرماتے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں جو صلح فرمائی جب کہ سیاست کا تقاضا تو یہ تھا کہ مسلمان اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے بڑھے چلے جاتے چنانچہ اس وقت صحابہ کرام کو اقدام سے روکنے پر ان کے روحانی جذبات کو سخت ترین دھکا لگا لیکن چونکہ اسلام میں سیاسی مصالح، دعوتی مصلحت کے دست نگر ہیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور انھیں قبول صلح پر آمادہ کر لیا۔ یہیں پر یہ حقیقت سوالیہ نشان بن کر سامنے آتی ہے کہ جب سیاست و دعوت کے مابین اتحاد ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دونوں کے مصالح میں بھی ہم آہنگی پیدا نہ کی جائے؟

آج اس کی سخت ضرورت ہے کہ مسلمانانِ عالم اسلامی روش کے ہمہ گیر اور مکمل طور پر اس طریقہ کو اختیار کریں جس طرح کہ آج سے پہلے نبی کریم، داعیان اسلام، اور مجاہدین عظام نے اپنایا تھا وہ سیاست و دعوت دونوں اصول کے جامع تھے، درحقیقت دعوت و سیاست کے اصول کا انضمام ایسا جامع ہے کہ اگر اسلامی معاشرے کی تنظیم اسی خطوط پر کی جائے تو یہ کہنا قطعاً غلط نہ ہوگا کہ سیاست عین دین ہے، کیونکہ معاشرے کے لئے اس میں ایسی ہم آہنگی ہے کہ جس کی ظاہری ہار میں بھی جیت کا پہلو نمایاں ہے۔ اس لئے کہ ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کے لئے ایثار و اخلاص ہی پر مبنی ہوتا ہے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانانِ عالم اسوۂ رسول کو چھوڑ کر اپنی تمام تر کوششوں کی تنظیم مغرب کے اصول کی بنیاد پر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ مغرب کے ناقص اصول نے مذہب کو سیاست سے الگ نکال پھینکا ہے ان کے نزدیک تو مکر و فریب، غداری و دھوکہ دہی، بہانے بازی و حیلہ سازی اور کمائی کے ذرائع تک ہر ممکن کوشش سے پہونچنے اور حالات کے مطابق منصوبے بنانے کا نام سیاست ہے، انھیں اس سے مطلب نہیں کہ بھلائی اور خیر ان سے کوسوں دور ہو جائے ان کی مثال بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ ایک شخص اکتساب مال کرنا چاہتا ہے اگر وہ معروف طریقے سے اس کو حاصل ہو جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ چوری، رشوت، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ مال و دولت جمع کرتا ہے۔

یہی یورپ کی سیاست ہے جسے ہمارے ملک اور ہمارے عوام نے ایک قیمتی تحفہ سمجھ کر قبول کیا ہے لیکن یہ مسئلہ اس وقت بہت ہی بھیانک روپ اختیار کرے گا جب کہ یہ ہماری دینی اور دعوتی کوشش میں دخل انداز ہوگا۔ !!

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات
شمامۃ العنبر — زعفرانی حنا
کارخانہ
محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس
یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

سپاہی محاذ پر اسی وقت لڑ سکتا ہے

جب

اس کو اپنے متعلقین کے مامون و محفوظ ہونے کا اطمینان ہو

کسی ملک کی بڑائی، اس کے رتبے، اس کی سرحد، اور اس کی معیشت پر ہی منحصر نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس بات سے بھی دیکھی جاتی ہے کہ وہاں کے رہنے والے، اپنے محسنوں، ملک کے معماروں اور جنگ آزادی کے رہنماؤں کو کتنا یاد رکھتے ہیں۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہم آزادی کے رہنماؤں کو یاد کرتے ہیں، ان کے یادگاری جلسے کرتے رہتے ہیں۔

لیکن ان کی یاد میں صرف قصیدہ پڑھ کر ہی ختم کر دینے سے بات پوری نہیں ہو جاتی، اس معیار سے بھی نازک معیار یہ ہے کہ ہمیں ایک زندہ و بہادر قوم کی طرح یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ان تمام لوگوں نے جنگ آزادی میں اپنے آپ کو، اپنے سرمایہ کو، اپنے گھر بار کو جس مقصد کے لئے لٹایا، وہ بھی پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ ہم ان آزادی کے رہنماؤں کے لئے کتنے وفادار ہیں، اس بات کا صرف ہمارے عمل سے ہی پتہ لگ سکتا ہے، ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا ہم ان کی طرح اپنے ملک، ضمیر، وطن اور قوم کے لئے بھی وفادار ہیں یا نہیں؟

اس وقت یہاں پر بیٹھ کر مجھے ایسا احساس ہو رہا ہے کہ جیسے مولانا کی روح ہمارے سامنے کھڑی ہو، پھر کسی طرح بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ہم جھوٹ بولیں، یہ نا انصافی ہوگی اس صدارتی کرسی کے ساتھ، اپنے ضمیر کے ساتھ، مجھے فخر ہے کہ میں نے براہ راست مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر سنی ہے، اور یہ ان ہی کا سبق ہے کہ کہیں بھی کسی وقت بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے، میں واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم نے مولانا کے خوابوں کو پورا نہ کیا تو ہم ان کے کارناموں، قربانیوں اور خلوص کے ساتھ انصاف کرنے والے نہ ہونگے، مولانا کا خواب تھا مکمل آزادی، وہ آزادی جس کے بعد یہاں کا ہر باشندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ سمجھے، میں یہ بھی واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہندوستان میں کسی مجبوری کے تحت نہیں رہے، وہ اسے اپنا ملک سمجھتے ہیں۔

اگر انھیں کسی نے روکا تھا، تو مولانا آزاد کے وقار، جواہر لال نہرو اور گاندھی جی کے حوصلوں نے، ان کے وعدوں نے، پھر سب سے بڑھ کر خود ان کے ایمان نے،

لیکن ہم آج ان رہنماؤں کو کیا دے رہے ہیں؟ یہی کہ آج یہاں ایک بہت بڑا فرقہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے، اپنے ہی ساتھیوں سے، اپنے ہی بھائیوں سے جنھوں نے جنگ آزادی میں ان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر جنگ کی تھی، میں دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ یہ قوم آج بھی مولانا آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، اور اشفاق اللہ پیدا کر سکتی ہے، اگر اسے اپنی حفاظت اور عزت کا یقین ہو جائے، ایک سپاہی جو میدان جنگ میں لڑ رہا ہے، اگر اسے یہ یقین نہیں ہے کہ گھر پر اس کے بچے، اس کی جائیداد، اس کی عزت محفوظ ہے تو وہ بہادر سپاہی نہیں بن سکتا، یہ قوم اب بھی ہندوستان کا نقشہ بدل سکتی ہے اور جوہر قابل پیدا کر سکتی ہے۔ اصل طاقت ہتھیاروں میں نہیں بلکہ آدمی کے حوصلہ میں ہوتی ہے۔

(مولانا نے وزیر اعلیٰ اتر پردیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں ملک کے ذمہ داروں کا گریبان تو نہیں لیکن دامن پکڑ کر ضرور کہوں گا کہ انھیں یہ یقین دلانا ہوگا کہ یہاں ہر شخص کی جان اور عزت محفوظ ہے، یہ قوم ملک کے لئے کچھ اس سے زیادہ ہی کر سکتی ہے جتنا جنگ آزادی میں کیا، لیکن اس کے لئے حکمرانوں کو یہاں ایسے حالات پیدا کرنا پڑیں گے، جب تک حالات ٹھیک نہ ہوں گے کچھ بھی نہ ہو سکے گا (مولانا نے ریاست کے وزیر اعلیٰ وشوناتھ پرتاپ سنگھ جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) خدا کے لئے ایسا نہ کیجئے کہ ہمیں مولانا جیسے لوگوں کی روح کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، کبھی ہمارے حالات ان رہنماؤں کے خوابوں کو چکنا چور نہ کر دیں۔

مولانا کو میں صرف اس لئے خراج عقیدت نہیں پیش کرتا ہوں کہ وہ بہت بڑے لیڈر تھے، بلکہ اسلئے کہ ان کا کیرکٹر ان کے دماغ سے زیادہ بلند تھا اور کبھی بھی کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ اس سے ان کی قوم کیا اثر لے گی، اکثر یہ ہوا کہ وہ اپنی قوم کی ناراضگی کے باوجود اپنے سیاسی خیال پر اٹل رہے، انھوں نے کہا کہ میں نے مولانا کا قصیدہ نہیں پڑھا کیوں کہ میں ان کے مزاج سے واقف ہوں، ہمیں چاہئے کہ قصیدہ پڑھنے کے بجائے ایسا اطمینان بخش ماحول اور ایسے حالات پیدا کریں کہ مولانا کی روح کو سکون مل سکے۔

مولانا نے آخر میں کہا کہ مجھے اس کی خوشی ہے کہ وزیر اعلیٰ صاحب نے اتنے کٹھن حالات میں بھی اپنے خلوص اور ایمان کو اپنی سیاست پر غالب رکھا، خلوص وہ چیز ہے جس کا نتیجہ آپ خود دیکھ لیں کہ آج پوری دنیا میں صرف دو جنتریاں (کیلنڈر) رائج ہیں ایک عیسوی کیلنڈر اور دوسری ہجری تقویم (جنتری)، ایک میں قربانی اور خلوص شامل ہے، دوسری میں ہجرت و عزم۔

مولانا علی میاں صاحب نے کہا کہ میں ایک اور بات کا بھی انکشاف کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ، میں مدت سے عرب ممالک کی کئی کمیٹیوں کا رکن بھی ہوں، جس کی وجہ سے میرے پاس دو دو، تین تین دعوت نامے آئے ہوئے ہیں، اور تاروں کا تو پورا پلندہ ہو گیا ہے مجھے بار بار بلایا جا رہا ہے، لیکن میں بیرونی ممالک میں اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک یہ سیاہی جو ہمارے چہروں پر لگی ہے یعنی فسادات کی دھل نہیں جاتی، انھوں نے کہا کہ اس لئے بھی باہر نہیں جانا چاہتا ہوں کہ ایک ہندوستانی ہونے کے ناطے مجھے وہاں سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا، ان کے علاوہ سب کی نگاہیں مجھ پر پڑیں گی اور لوگ جب مجھ سے فساد کے متعلق دریافت کریں گے، تو میں جھوٹ بول نہیں سکتا سچی بات کہوں گا، اور شرمندگی ہوگی، انھوں نے کہا کہ ہر ملک کا اطلاعات کا نظام ہے اور وہ ایک دوسرے کی پوری خبر رکھتے ہیں، یہاں کی بھی پوری خبر ان کو ہے، پھر بھی وہ مجھ سے ضرور دریافت کریں گے، مولانا نے سیاسی لیڈروں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ خدارا مجھے ملک سے باہر جانے کے لائق رکھیئے۔

آپ نے کہا کہ جہاں تک فساد کی بات ہے، ہماری قوم کوئی مردہ قوم نہیں، یا اس میں لڑنے والے نہیں ہیں، لیکن اس کا معاملہ ویسا ہی ہے، جیسے کہ ایک شریف انسان اپنے محلہ میں جھگڑا نہیں کرتا، اس طرح یہ قوم اپنے گھر میں نہیں لڑنا چاہتی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ کوئی زندہ قوم، یا بہادر قوم نہیں ہے۔

بقیہ صفحہ: ایک حاجی کا خط

اور مندرجہ بالا باتوں کی جانب خصوصی توجہ دلانے کا کام ازبس ضروری ہے، غسل کرنا، کپڑے صاف رکھنا، گندگی دور پھینکنا، مردوں وعورتوں کو دھکا نہ دینا، عورتوں کی صفوں کو نہ توڑنا وغیرہ بتایا جائے اور تلقین کیجائے کہ اس سے حج خراب ہو جائے گا۔

جمرات اور بھیڑ اژدحام کی جگہوں پر رضاکاروں کی ٹیم کی ضرورت جس سے حوادث کی روک تھام کی جا سکے، یہ کام توعید اسلامیہ کے لوگ اور مسلم جماعتیں بخوبی انجام دے سکتی ہیں، مسلم جماعتوں اور مسلم تنظیموں کو اس کی جانب توجہ کرنی چاہیے۔ اگر دو تین رضاکار گروپ کام سنبھال لیں تو انشاء اللہ حوادث اور المناک واقعات پر بڑی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

والحمد للہ رب العلمین وھو نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

نئی صدی ہجری کا استقبال

قاہرہ میں

از مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی مقیم حال قاہرہ

قاہرہ عالم عربی کے مرکز میں ہونے کی وجہ سے نیز مشرق و مغرب کے سنگم کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک ان تمام تبدیلیوں کا آئینہ دار ہے، جہاں کی صحافت نے ان تبدیلیوں کو شدت سے محسوس کیا ہے اور اپنے صفحات میں اپنے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے صدر سادات نے اظہار خیال کیا، یہ حقیقت ہے کہ صدر سادات ان معدودے چند سربراہوں سے ہیں جو خارجی و داخلی مسائل پر بھرپور تبصرہ کرتے ہیں، پھر اسی کی روشنی میں یہاں کی قومی صحافت پالیسی بناتی اور اس کے مطابق دلائل پر براہین فراہم کرتی ہے۔

صدر سادات نے پندرہویں صدی ہجری کے سلسلہ میں تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے عرب دنیا کی انارکی اور انتشار کی طرف اشارہ کیا اور واقعات کے ذریعہ ثابت کیا کہ عرب حکمرانوں کی غفلت اور غیر دانشمندانہ پالیسی کی وجہ سے ایک طرف تو افغانستان روس کے چنگل میں چلا گیا دوسری طرف شام، لیبیا اور یمن جیسے ملک اس کی گود میں چلے گئے، لیکن اس کی کسی کو پرواہ نہیں ہوئی بلکہ تمام سربراہ صرف مصر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں، اب بھی یہ سربراہ اگر ہوشمندی سے کام نہیں لیں گے تو رہے سہے عرب ملک بھی اشتراکیت کے چنگل میں پھنس جائیں گے۔ ایک دوسری مفصل تقریر میں صدر سادات نے اسلامی دنیا میں چودھویں صدی ہجری کے اندر گذشتہ سیاسی و اصلاحی تحریکات کا جائزہ لے کر اس بات کو ثابت کیا کہ اب حالات کا تقاضا ہے کہ ہم از سر نو اتحاد و اتفاق کا ثبوت دیں، چونکہ عرب لیگ اس مقصد کے حصول میں ناکام ہو چکی ہے اس نے عربوں کے ساتھ مسلم ملکوں کو بھی متحد کرنے کے لئے عرب لیگ کے بجائے اسلامی عرب لیگ کے قیام کی ضرورت پر زور دیا اور خود ہی اس کے مقاصد کو اس طرح متعین کیا۔

- عرب اور مسلم ملکوں کے درمیان بھرپور مکمل اتحاد و اتفاق کے لئے کام کرنا۔
- عرب اور مسلم ملکوں کے درمیان معاشرتی و معاشی ترقی کی راہیں تلاش کرنا (اسلامی اصول کے مطابق)۔
- عرب اور مسلم ملکوں کے درمیان بھائی چارگی، آزادی، عزت اور امن و امان کے ساتھ رہنے کے لئے تمام انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا۔
- عرب اور مسلم ملکوں کے مسائل و مشکلات کے حل کی کوشش کرنا اور آپسی اختلافات کو نمٹانے کی کوشش کرنا۔
- معاشی و معاشرتی میدانوں میں ترقی کے لئے ایک جامع منصوبہ بنا کر مکمل اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی کے ساتھ کوشش کرنا۔
- عالمی واقعات اور مسائل پر مسلم ملکوں کی قوت اور ان کے اتحاد و اتفاق کے ذریعہ اثرات کو واضح کرنا۔
- اسلامی تہذیب و تمدن کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنا اور عرب اور مسلم ملکوں کے نوجوانوں کی عالمی پیمانے پر تنظیم قائم کرنا۔

ان مندرجہ بالا مقاصد کے ساتھ صدر سادات نے عرب اسلامی لیگ کے پہلے جلسہ کا افتتاح کیا جو عرب لیگ کے مرکزی دفتر میں ہوا تھا اور جس میں سوڈانی نمائندے بھی تھے۔ صدر کی تقریر کے بعد ہی نو کمیٹیوں کی تشکیل کر دی گئی جو مندرجہ بالا مقاصد کو بروئے کار لانے کی ذمہ دار ہوگی۔ اس طرح پندرہویں ہجری کا افتتاح ایک ایسی تنظیم کے قیام سے ہو گیا جس کے مستقبل کا انحصار عرب اور مسلم ملکوں کے حالات پر ہے۔ موجودہ عرب لیگ جس طرح بے عملی کا شکار ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عمان میں ہونے والی چوٹی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں خاصے اختلافات پائے جاتے ہیں اور ابھی تک اس نے علیحدگی کے بعد سے بجز قرار دادوں کے کچھ نہیں دیا ہے۔ یوں بھی بغیر مصر کے کوئی عرب ملک سنجیدگی سے کام کرنے پر تیار نہیں صرف پیسوں ہی سے سارا کام نہیں چلتا اس کے لئے سیاسی و تنظیمی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اس کا احساس ان تمام عرب ممالک کو ہے جنھوں نے برائے نام مصر کا بائیکاٹ کر رکھا ہے مگر مصری ماہرین سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سیاسی و اقتصادی بائیکاٹ کے باوجود صرف سعودی عرب میں پچاس ہزار اور کویت میں دس ہزار مصری ٹیچر کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اور انجینئر اور دوسرے ماہرین کی تعداد ان کے علاوہ ہے جن سے لاکھوں ڈالر ماہانہ مصر کے خزانے میں جمع ہوتا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کے سلسلہ میں دوسری افتتاحی تقریب عالم اسلام کی قدیم ترین درسگاہ جامع ازہر میں منائی گئی اس میں بھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے صدر سادات مدعو تھے، جامع ازہر کے شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بیصار نے اپنی تقریر میں ازہر کے تاریخی کردار کا ذکر کرتے ہوئے اس عہد کی تجدید کی کہ ازہر اپنا یہ کردار نبھاتا رہے گا۔ ازہر کے بارے میں ہمارے قارئین جانتے ہوں گے کہ فاطمی عہد میں ۳۶۱ھ مطابق ۹۷۲ء میں ازہر قائم کیا گیا تھا، فاطمیوں کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر کو جب فاطمیوں سے پاک کیا تو ازہر علم و ادب کا مرکز بن گیا اور پوری دنیا سے طلب علم کے لئے یہاں لوگ آنے لگے۔ سنہ ۱۹۵۲ء کے انقلاب کے بعد ازہر کو باقاعدہ عصری یونیورسٹی کا درجہ دیدیا گیا اور اس کا اسلامی کردار محدود کر دیا گیا۔ ان دنوں ازہر یونیورسٹی کے مختلف کالج چل رہے ہیں مگر ازہر کی ہزار سالہ مسجد میں اب بھی اسلامیات کا درس اسی قدیم طرز سے جاری ہے ہر ہفتہ جمعرات کو اس مسجد اور مسجد سیدہ زینب میں بوہرے جمع ہوتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان دنوں قاہرہ میں دس ہزار بوہرے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے ہیں، فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کی بنائی ہوئی مسجد جامع انور کی ترمیم و اصلاح، نیز جامع ازہر کی تزئین و آرائش پر بوہرے ستر ملین ڈالر صرف کر رہے ہیں، اس سے پہلے سیدہ زینبؓ اور سیدنا حسینؓ کی مسجد کے لئے دس لاکھ ڈالر کی لاگت سے دو مقصورے سونے اور چاندی کے بنوا کر دونوں مسجدوں میں نصب کئے جا چکے ہیں جس پر یہاں کے اخبارات نے بڑی لے دے کی تھی، اس بار بھی مشہور ہفت روزہ روز الیوسف نے بوہروں کے اس طرز عمل پر خاصی برہمی ظاہر کی ہے اور سوال کیا ہے کہ آخر اس فضول خرچی کا مطلب کیا ہے، کیا پھر فاطمی حکومت قائم کرنے کا ارادہ ہے، آخر سیدہ زینبؓ کے مقبرے پر ایک لاکھ ۲۰ ہزار تولے چاندی اور دس کیلو سونا خرچ کر کے قیمتی مقصورہ بنوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے بڑے درد سے سوال کیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ آخر ان کی ترقی پر یہ روپے کیوں نہیں خرچ کئے جاتے ہیں۔ کیا بوہرے عام ہندوستانی مسلمانوں سے اپنے کو الگ سمجھتے ہیں۔ تازہ شمارہ میں روز الیوسف نے بوہرہ فرقہ سے الگ ہونے والی جماعت کے رکن رکین اصغر علی انجینئر کا بیان شائع کیا ہے جس میں انھوں نے بوہرہ فرقہ کے پیشوا پر الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے متبعین پر ایسے ٹیکس لگاتے ہیں جو ان کی ذاتی آمدنی میں اضافہ کرتے ہوں، انھوں نے اعداد و شمار کے ذریعہ بتایا کہ بوہرہ پیشوا کی ذاتی آمدنی مختلف کمپنیوں کے حصص سے آٹھ ملین ڈالر سالانہ ہے۔ ان الزامات کے علاوہ انھوں نے بوہری عقائد اور سلوک پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ڈاکٹر برہان الدین اپنے متبعین سے سجدہ کرواتے ہیں۔ دو تین روز قبل صدر سادات نے جامع انور کا افتتاح کر دیا ہے اور اب تمام رسومات کی ادائیگی کے بعد بوہرے اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہو رہے ہیں۔ پندرہویں صدی ہجری کا آغاز اس طرح بھی ہو رہا ہے۔

یہاں کی اسلامی صحافت قومی صحافت سے قطعاً مختلف ہے اسی لئے دونوں صحافتوں نے پندرہویں صدی ہجری کا استقبال اپنے اسلوب اور نقطۂ نظر سے کیا۔ روزنامہ "الاہرام" "الاخبار" اور "الجمہوریہ" نے چودھویں صدی ہجری کا سیاسی و مادی جائزہ لیا اور عالم اسلامی کے نقشہ میں انھوں نے مصر کو تمام مراحل میں لیڈر اور مفکر کی حیثیت سے نمایاں کیا، اور عالم اسلام کے حالیہ انتشار و پراگندگی کا قصور وار خود ان ملکوں کے قائدین کو ٹھہرایا، چنانچہ عرب دنیا کے ادیب و مفکر نجیب محفوظ نے جو الاہرام کے مستقل کالم نگار بھی ہیں اپنے کالموں میں عالم اسلام کو ابولہب کے کیمپ میں جاتے ہوئے بتایا اور مصر کو محمدی کیمپ میں بتا کر اس کی دعوت دی کہ مصر کی قیادت ہی سے ان ملکوں کو دینی و سیاسی استقرار مل سکتا ہے لیکن قومی صحافت کے برعکس اخوان المسلمین کے ترجمان ماہنامہ "الدعوۃ" نے چودھویں صدی ہجری کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا، اسلامی ملکوں اور ان کے لیڈروں کی جد و جہد اور

(بقیہ صفحہ پر)

موت کی یاد

ایمان وتقویٰ کا حقیقی معیار ہے

شمس الحق ندوی

اذکروا ھاذم اللذات (لذتوں کو ختم کر دینے والی (یعنی موت) کو یاد کرو)۔ (ترمذی شریف)

جب ہم اس کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر وجود میں عدم اور ہر عروج میں زوال کارفرما نظر آتا ہے۔ چیزیں بنتی سنورتی ہیں، پھر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں، شہر بستے ہیں اور آباد ہوتے ہیں پھر ویرانوں اور خرابات میں تبدیل ہو جاتے ہیں، رقص وسرور کی مجلسیں گرم ہوتی ہیں پھر ان پر خاموشی کی ایسی چادر ڈال دی جاتی ہے کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کی آواز تک نہیں سنتا فوجیں جاہ وجلال کے ساتھ بڑھتی اور برق وباد کی طرح اٹھتی ہیں پھر موت کی میٹھی نیند سو جاتی ہیں۔ فرعون ہو یا نمرود، ہامان وشداد ہوں یا دارا وسکندر، ہلاکو ہو یا چنگیز سب کے سب لقمۂ اجل بن کر ہی رہے۔ جن کے شب وروز فقر وفاقہ میں گذرے جسم سردی گرمی میں ننگے رہے وہ بھی، اور جو مخملوں پر سوئے، عیش وعشرت میں رہے وہ بھی ؎

ابر و باد پر قادر اس قدر مجبور
کہ ایک سانس کے لانے کا اختیار نہیں

اسی آخری انجام سے بے فکری ہی انسان کو خدا کا نافرمان بناتی ہے اور ہر قسم کے گناہ وپاپ کو جائز کر دیتی ہے اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ اس کو یاد کرو جو لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے یعنی موت کو یاد کر کے اپنے عیش وطرب کو بے مزہ بناؤ۔ یہاں تک کہ اس کا خطرہ تم سے دور ہو جائے۔ یعنی آخرت کی پُرسکون زندگی مل جائے اور اپنے خدا سے جا ملو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ موت کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اور تمہیں اس کا علم ہو چکا۔ اگر یہ جانوروں کو معلوم ہو جائے تو تم کو کھانے کے لئے کوئی موٹا جانور نہ ملے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی کیا کوئی شہیدوں کے برابر بھی ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا، ہاں جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہو۔ وہ شہیدوں کے برابر ہوگا کیونکہ اس کثرت سے موت کی یاد اس کو گناہوں سے بچائے گی اور آخرت کی تیاری کے لئے آمادہ رکھے گی موت کی یاد سے غفلت دنیا کی خواہشات میں منہمک رکھتی ہے اور آخرت کی تیاری سے غافل رکھتی ہے۔

آپ نے ایک دوسری جگہ فرمایا موت مومن کے حق میں تحفہ ہے کیوں کہ وہ مومن کو دُنیا کے قید خانے سے نجات دلاتی ہے کیونکہ مومن دنیا میں نفس کو خواہشات سے روکنے میں بڑی الجھنوں سے دوچار ہوتا اور شیطان سے برابر برسرپیکار رہتا ہے موت اس کو اس تکلیف سے چھڑا دیتی ہے۔ یہ آزادی اس کے حق میں تحفہ ہے حضورؐ نے فرمایا موت مومن کے لئے کفارہ ہے آپ کی مراد مسلم کامل سے ہے۔ فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ وزبان کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس میں مسلمانوں کے تمام اخلاق حسنہ پائے جائیں اس کا کردار معاصی سے پراگندہ نہ ہو اِلّا یہ کہ چھوٹے موٹے گناہ ہوں موت اس کو ان چھوٹے گناہوں سے پاک کر دیتی ہے کبیرہ گناہوں سے بچنے کے بعد چھوٹے گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے۔

عطا خراسانی فرماتے ہیں ایک مجلس میں لوگ ہنسی ٹھٹھا کر رہے تھے حضورؐ نے فرمایا اپنی اپنی مجلسوں میں لذتوں کو مکدر کر دینے والی کو یاد کرو، اہل مجلس نے سوال کیا اللہ کے نبی وہ کیا ہے؟ فرمایا موت! حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا موت کو زیادہ یاد کرو وہ گناہوں کو مٹاتی اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے حضورؐ نے فرمایا موت کی یاد اور ندامت خود ایک وعظ ہے۔ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے ہنس رہے تھے فرمایا موت کو یاد کرو خدا کی قسم اگر تم کو وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم ہنسو کم روؤ زیادہ۔

لوگوں نے حضورؐ کے پاس ایک شخص کی بڑی تعریف کی۔ آپ نے پوچھا موت کو بھی یاد کرتے ہیں ان لوگوں نے جواب دیا کہ کبھی سنا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ قابل تعریف نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ ایک انصاری نے میری بڑی تعریف کی یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا موت کو یاد کرنے اور اس کے لئے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں عزت کے ساتھ رہے آخرت کی سعادت کے ساتھ گئے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ موت نے دنیا کو رسوا کیا اس نے کسی صاحب عقل کے لئے کوئی خوشی کی چیز نہیں رکھی۔ ایک بزرگ نے اپنے دوست کو خط لکھا کہ اے میرے بھائی اس دنیا میں جانے سے پہلے جہاں تم موت کی تمنا کروگے اس دنیا میں موت کے انجام سے ڈرو اور بچاؤ کی تدبیر کرو۔ ابن سیرینؒ جب موت کو یاد کرتے تو خوف وخشیت کی ایسی کیفیت ہوتی کہ ان کے اعضا بے حس وحرکت ہو جاتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہر رات علماء کو جمع کر کے موت وقیامت کا مذاکرہ کرتے اور اس طرح روتے کہ جیسے ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہو۔ ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے میری زندگی کو مکدر کر دیا ہے موت اور اللہ کے سامنے پیشی کا خوف۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جس نے موت کے انجام وعواقب کو سمجھ لیا دُنیا کا غم اور مصیبتیں اس پر آسان ہو گئیں مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد بصرہ کے بیچ کوئی کہہ رہا ہے موت کی یاد نے اللہ سے ڈرنے والوں کے دل پارہ پارہ کر دئے تم ان کو دیکھوگے تو معلوم ہوگا کہ وہ جذب ومستی کے عالم میں ہیں۔ حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرو، تمہارا دل نرم پڑ جائے گا، اس عورت نے تعمیل کی تو اس کا دل نرم پڑ گیا اور وہ شکریہ ادا کرنے آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب موت کو یاد کرتے تو ان کے جسم سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں کسی صاحب عقل سے ملا تو اس کو موت سے ڈرا ہوا اور غمگین پایا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی عالم سے کہا کہ مجھے نصیحت کرو تو انھوں نے فرمایا، عمر! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک تمہارے باپ دادا میں کوئی ایسا نہیں جس نے موت کا مزہ نہ چکھا ہو اب تمہاری باری ہے۔ عمرؒ پر خوف وخشیت کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ رونے لگے، ربیع ابن خثیم نے اپنے گھر ہی میں قبر کھود رکھی تھی دن میں کئی بار اس میں لیٹا کرتے اور موت کی یاد تازہ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر موت کی یاد تھوڑی دیر کے لئے بھی میرے دل سے نکل جائے تو وہ خراب و برباد ہو جائے۔

مظفر شاہ حلیم گجراتی کے متعلق مورخین کی روایت ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں قبر تیار کرائی اس میں بیٹھے اور پھر اس کو سونے چاندی سے بھرا اور نکال کر خیرات کر دیا اور دعا کی کہ اے اللہ یہ آخرت کی پہلی منزل ہے تو اسے آسان فرما۔ شیخ ابن مطرف فرمایا کرتے تھے کہ موت نے خوش حالوں کی زندگی کو منغص اور بے مزہ کر دیا ہے۔ اے بھائیو تم ایسا عیش تلاش کرو جس میں موت نہ ہو کوئی خوف وخطرہ نہ ہو۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ...... سے فرمایا کہ موت کو یاد کرو اگر تم خوش حال ہو گئے تو وہ اس کو تم پر تنگ کر دے گی۔ تنگ حال ہو گئے تو وہ اس کو تم پر وسیع کر دے گی۔ ابوسلیمان درانی کہتے ہیں کہ میں نے ہارون کی ماں سے پوچھا کہ تم موت کو پسند کرتی ہو تو بولیں کہ جب میں کسی انسان کی بات نہیں مانتی تو اس سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی تو موت کو کیسے پسند کروں جب کہ اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کی ہے۔ ابوسلمی تمیمی فرماتے ہیں کہ فرزدق کی بیوی کے جنازے میں علماء ومعززین بصرہ شریک تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انھوں نے ابوفراس سے پوچھا کہ

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

مکتوب از ریاض، سعودی عرب

ایک حاجی کا خط

برادر معظم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، خدا کے فضل وکرم سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ہم لوگ بعافیت ریاض واپس پہونچ گئے۔ یہ صرف خدائے عزوجل کا فضل ہے ورنہ ہم جیسے گنہگار، کمزور وناتواں، کاہل ونادان کے بس کا کام نہیں ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مولوی قمر علی صاحب ندوی اور سعید سلمہٗ ساتھ تھے ان دونوں کی وجہ سے میرا سارا بار ہلکا ہو گیا ورنہ بچوں کا ساتھ تھا، دل گھبرایا ہوا تھا، اللہ جانے کیا دشواری پیش آجائے مگر اللہ خوش رکھے ان دونوں عزیزوں کو انھوں نے اپنا نقصان کر کے خود تکلیف اٹھا کر ہمیں اور بچوں کو ہر طرح کا آرام اور سہولت پہونچائی، جزاھما اللہ اوفر الجزاء۔

حج سے دو ماہ قبل سب کا ہوائی جہاز سے ریزرویشن ہو گیا تھا معلم بھی طے ہو گیا تھا، جو ہمیں جدہ سے لے جا کر جدہ تک پہونچا دیتا مگر عین وقت پر مدینہ منورہ سے سید حسن عسکری طارق صاحب کا پیغام ملا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے ساتھ حج کرانا چاہتے ہیں اور آپ لوگوں کے لئے انتظام کر لیا ہے، چنانچہ ان معلم صاحب سے معذرت کر کے طارق صاحب کے ہمراہ حج کرنے کا فیصلہ کر لیا، جدہ میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کو آمد کی اطلاع کر دی تھی، جہاز ٹھیک ۱۲½ بجے دن میں جدہ پہونچا، ایرپورٹ پر جناب عبدالرزاق صاحب، سعید سلمہٗ (پہلے ہی مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور سیدھے جدہ آئے) نعمت اللہ سلمہٗ، مولوی عبدالوحید حلیمی اور طاہرہ خالہ کے بڑے صاحبزادے ابوعبیدہ سلمہٗ موجود تھے، سب سے مل کر خوشی ہوئی، ابوعبیدہ سلمہٗ گاڑی لے کر آئے تھے، عزیز تھے ان کی خواہش بھی تھی اس لئے انھیں کے ہمراہ ان کے گھر گئے ایک شب ان کے یہاں قیام رہا، سہ پہر کو مولوی قمر صاحب اور ابوعبیدہ سلمہٗ کے ساتھ مولانا عبدالماجد صاحب ندوی سے ملاقات کے لئے گئے اور حسب عادت بڑی دیر تک ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتے رہے، رات کے ۱۱ بج گئے، میں نے عبدالرزاق صاحب سے ملنے کا وعدہ کیا تھا ان سے مدرسۃ البنات دہلی کے سلسلہ میں بہت ساری گفتگو کرنی تھی، تاخیر ہو جانے کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا جس کا افسوس ہوا،

بچوں اور عورتوں کی وجہ سے طے ہو گیا تھا کہ "تمتع" کی نیت کی جائے گی کیوں کہ اس میں سہولت ہوتی ہے، صبح کو ابوعبیدہ سلمہٗ کے گھر میں فجر کی نماز کے بعد غسل کر کے احرام باندھا، دو رکعتیں پڑھ کر نیت کی اور لبیک کہتے ہوئے ایرپورٹ آئے، وہاں "النقل الجماعی" کی بس سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے یہ بس حج کے موسم میں ۲۰ ریال لیتی ہے مگر بے حد آرام دہ ہوتی ہے۔

میرا یہ دوسرا حج ہے مگر کیفیت بالکل پہلے حج کی سی ہے، لگتا ہے کہ مکہ مکرمہ پہلی بار حاضری ہو رہی ہے۔ ننھے ننھے بچوں کو احرام میں دیکھ کر دل بے قابو ہو گیا، زبیر میاں سلمہٗ اور سمیرہ بی سلمہا بڑے پیارے لگ رہے تھے میں اپنی قسمت پر نازاں کہ خدا نے بزرگ و برتر نے میری دعا سن لی اور میری مراد پوری فرمائی، الٰہ العالمین تو ہمارے ان بچوں کے طفیل ہمارے حج کو قبول فرما اور ہمیں بار بار اس کی سعادت نصیب فرما، سعید سلمہٗ کو دیکھ کر آپ بے انتہا یاد آئے، کاش آپ بھی ساتھ ہوتے! تڑپتے ہوئے دل، کانپتے ہوئے ہونٹوں، سرنگوں اور باچشم تر ترانۂ لبیک پڑھتا ہوا یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا، جو تین مردوں، ایک عورت اور چار بچوں پر مشتمل تھا، بچوں میں بھی بڑا کیف، سرور، خوشی وانبساط تھا، سوالات کی بوچھار تھی ایک ایک سوال کا جواب دینا رہا، سیرت اور خلفاء اربعہ میں جو کچھ ان بچوں نے پڑھا تھا راستہ میں اس کی تلاش، تصدیق اور تحقیق کرتے رہے، جدہ سے نکلتے ہی خشک پہاڑیوں، ریتیلے میدانی ٹکڑوں کا سلسلہ شروع ہوا تو نوریہ نے کہا کہ ہائے انھیں پہاڑوں پر سے ہمارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم گذرتے ہوں گے، کتنی مشقت اور تکلیف ہوتی ہوگی، مریم نے کہا اور ہم ہیں کہ ایرکنڈیشن بس میں سفر کر رہے ہیں، کاش ہم بھی کچھ مشقت جھیل سکتے، انیز میاں نے اس کی وجہ اور تفصیل پوچھی، حدیبیہ کے قریب پہونچے تو مریم سلمہا نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ مکہ مکرمہ کا راستہ انھیں یادوں کے سایہ میں طے ہوا، حرم پاک کے منارے نظر آگئے، بچوں کو دکھایا اچھل پڑے ہم گنہگار وبے مایہ اور ہمارے یہ نصیب، رب کعبہ! یہ تیرا کرم ہی تو ہے۔ لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک، کی صدائیں بلند اور تیز ہو گئیں۔ بس باب الملک عبدالعزیز کے سامنے ٹھہر گئی، سر جھک گئے اس وحدہ لاشریک کے سامنے جس نے ہمیں اتنی بڑی سعادت نصیب فرمائی۔ (ھذا الذی کانت الایام تنتظر فلیوف للہ اقوام بما نذروا) یوم

> مولانا سید اجتبا صاحب ندوی استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود۔ ریاض نے حج کے بعد اپنے برادر معظم مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب کے نام یہ خط لکھا ہے جس میں بے تکلف انداز میں بہت سی معلومات اور وہ موثر جذبات واحساسات آگئے ہیں جو بالارادہ مضمون لکھنے میں بعض وقت تکلف سے خالی نہیں ہوتے، افادۂ عام کی غرض سے یہ خط ہدیۂ ناظرین ہے۔

۴۴ مولانا محمد شمیم مسعود صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ نے ریاض ہی اطلاع دے دی تھی کہ مدرسہ میں تم لوگوں کے قیام کا انتظام ہے۔ سیدھے صولتیہ پہونچے، مولانا مدظلہٗ نے پرجوش استقبال کیا، ایک صاحب کے ہمراہ کمرہ بھجوایا، کمرہ کشادہ تھا۔

مولانا مدظلہٗ کے پاس ہی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک شعبہ کے ہیڈ کلرک جناب نورالدین صاحب مل گئے ان سے اچانک ملاقات نعمت غیر مترقبہ تھی، بڑی مسرت ہوئی۔ بڑے مخلص، دیندار جماعت تبلیغ کے سرگرم کارکن، جامعہ اور اوکھلا کے ذمہ دار ہیں، ساتھ ساتھ کمرے آئے، راستہ میں جامعہ کے حالات دریافت کئے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی اداروں کو مفید اور کارآمد بنائے مخلص اور بے لوث ذمہ دار وکارکن نصیب فرمائے، مسلمانوں کی بے حسی اور خود غرضی کے شکار ہیں یہ ادارے۔

کمرے میں جلدی جلدی سامان رکھا، ضروریات سے فراغت حاصل کی اور تیار ہو کر عمرے کے لئے حرم کا رخ کیا۔ زبان پر لبیک، آنکھوں میں آنسو، دل میں ہزار تمنائیں و آرزوئیں اور ہونٹوں پر دعائیں، جوش ومسرت سے بچوں کے قدم تیز ورواں تھے بار بار روکنا پڑتا، مجمع بہت زیادہ تھا، ذی الحجہ کی ۶ر تاریخ ہو چکی تھی، ہر طرف سے حجاج کے قافلے حرم کی جانب بڑھ رہے تھے بڑے ذوق وشوق اور ایک دھن کے ساتھ لبیک کی صدائیں گونج رہی تھیں آیت قرآنی کے مصداق: "واذن فی الناس بالحج یاتوک ......" سخت بھیڑ کی وجہ سے باب السلام کے بجائے باب العمرہ سے داخل ہوئے، کعبہ شریف پر نظر پڑی زبان پر دعا جاری ہو گئی اللھم زد بیتک ھذا تعظیما وتکریما ...... بچوں کو قریب کر کے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر طواف شروع کیا، عصر تک عمرہ سے فارغ ہوئے حلق کرایا، عورتوں کے بال مسنون طریقہ پر کتروائے ظہر اور عصر کی نماز حرم میں ادا ہوئی، زمزم پیا اور قیام گاہ آ گئے۔ ۸ر ذی الحجہ کی صبح تک جتنا ممکن طواف اور حرم میں وقت گذارا، دن کا موسم سخت تھا، دھوپ اور گرمی تھی مگر بحمد اللہ حرم کی حاضری جاری رہی۔ بازار جانے کے لئے نہ بچوں نے اصرار کیا نہ کوئی ضرورت پڑی، اور جو ضرورت پڑی وہ قریب کی دو دکانوں سے پوری کر لی گئی۔ ۷ر ذی الحجہ کو مولوی قمر صاحب نے طارق صاحب کے حسب ہدایت ملک عبدالحفیظ صاحب سے رابطہ قائم کیا، ہم لوگوں کو طارق صاحب کے ہمراہ ملک صاحب کے والد ملک عبدالحق صاحب مکی کے "خیام" میں حج کرنا تھا، معلوم ہوا کہ ہمیں ۸ر اور ۷ر ذی الحجہ کی درمیانی شب میں ملک صاحب کے دولت خانہ شارع منصور پہونچ جانا ہے اور پارٹی کے مطابق ہمیں وہاں سے منیٰ پہونچا دیا جائے گا، چنانچہ ہمارا قافلہ کچھ دور پیدل اور کچھ دور کرایہ کی گاڑی سے رات میں ۱۱ بجے پہونچ گیا۔ ۹ بجے صبح ہم لوگ منیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ عورتیں پہلے ہی روانہ کر دی گئی تھیں، منیٰ میں ملک صاحب نے ایک عمارت کرایہ پر لے لی تھی اور اس کے کھلے صحن اور چھت پر خیمے لگا دیے تھے تقریباً چار سو حضرات ان کے ہمراہ تھے، بڑی چہل پہل تھی، عورتیں اور مرد الگ الگ قیام پذیر تھے، ہمارے جاننے والوں میں برادر محترم جناب طارق صاحب اور ان کے اہل خانہ کے علاوہ محمد اکرام احمد صاحب اور ڈاکٹر طاہر علا تقی الدین صاحب اصلاحی ندوی، مظاہری، ازہری قاضی ابوظبی تھے۔ مولانا تقی الدین صاحب اپنے بچیا اور اہل خانہ

کے ساتھ شریک تھے، ہمارے بستر طارق صاحب اور اکرام صاحب کے ساتھ تھے، مولانا تقی الدین صاحب اکثر بستر پان کی طلب میں اکرام صاحب کے پاس آجاتے اور اپنی مخصوص گفتگو سے سب کو لطف اندوز کرجاتے، خیمہ جمرات سے بالکل قریب تھا اور ہر طرح کی سہولت تھی، نماز باجماعت ہوتی تھی، اکثر فجر و عشاء کے بعد تبلیغی تقریریں ہوتیں، ایک روز حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب نے بھی مسائل حج پر موثر اور پرسوز تقریر کی، مجموعی طور پر قیام گاہ اچھی تھی مگر بار بار دل سے دعا نکلتی تھی کہ خدا تعالیٰ منتظمین کو حسن ذوق، حسن اخلاق، سلیقہ اور اسلامی روح سے ہمکنار کرے۔

۹ر ذی الحجہ کی صبح عرفات روانگی ہوئی، بچوں کو یاد دلایا کہ اصل حج آج ہے، عرفات کا قیام "الحج العرفۃ" دعاؤں کے لئے تلقین کی، بحمد اللہ بچوں میں شوق و ذوق تھا، دل کو اطمینان ہوا، عورتیں اور بچے پہلے روانہ ہوگئے، عرفات میں بھی خیمے نصب تھے۔ "جبل رحمت" سے تھوڑے فاصلے پر لوگ ہر جانب و ہر طرف سے جوق در جوق اپنی اپنی جگہیں بنا رہے تھے بہت سے خدا کے بندے خشوع و خضوع کے ساتھ گریہ وزاری، دعا و تلاوت کلام پاک اور نوافل میں مشغول تھے اس ناکارہ اور سراپا عصیاں کو بھی خیمے میں تھوڑی جگہ مل گئی، حسب توفیق تلاوت و ذکر اور دعائیں کیں، شام کو عصر اور مغرب کے درمیان اجتماعی دعا ہوئی، بڑی موثر، بڑی پرسوز، مرد، عورتیں اور بچے بلک بلک کر رو رہے تھے، چیخیں ہر طرف سنائی دے رہی تھیں لوگ گڑگڑا کر مانگ رہے تھے اور آنسوؤں کا ایک سیل رواں تھا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا، لگتا تھا کہ شاید آج آنسو خشک ہو جائیں گے۔ خدا کا حکم بھی تو ہے اور خدا تعالیٰ کو یہ ادا بڑی پسند بھی ہے، جبل رحمت نظر آرہا تھا، ہاتھ اٹھے ہوئے تھے، گریہ وزاری کی آوازیں آرہی تھیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں برگزیدہ بندوں کے طفیل اس گنہگار پر ترس کھاکر بخش دے، وہ بڑا کریم اور غفور رحیم ہے۔

سورج چھپ گیا آوازیں بند ہوگئیں، سارا عرفات بقعۂ نور بن گیا، گاڑیوں کے ہارن، موٹروں کی گڑگڑاہٹ اور سامان باندھنے اور اٹھانے کی آہٹ آنے لگی، لیجئے قافلے مزدلفہ کے لئے روانہ ہونے لگے، رات مزدلفہ میں گزارنی ہے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ مزدلفہ ہی میں پڑھنی ہے۔ ہمارے خیمہ کی ترتیب وہی ہے پہلے عورتیں ان کے بعد مرد، ہماری باری دیر میں آئی، مزدلفہ پہونچکر مغرب و عشاء پڑھی، کچھ وقت اور ذکر میں گذرا، چادر بچھاکر لیٹے ہی تھے کہ فجر کی اذان کانوں میں گونجی، نماز کے بعد روانگی تھی، پتہ چلا کہ عورتیں روانہ ہو چکی ہیں، سہولت کی خاطر ان کے قافلے فجر سے قبل روانہ کر دئے گئے، ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ہم منیٰ پیدل جائیں گے، چنانچہ یہ عاجز، اکرام صاحب، مولوی قمر علی صاحب، بدر الحسن صاحب، طارق صاحب اور سعید سلمہ، پیدل روانہ ہوگئے، ہمارے میر کارواں سید حسن عسکری طارق صاحب تھے، طارق صاحب بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے آدمی ہیں، متحرک، رواں دواں۔

میری اور مولوی قمر علی صاحب کی طبیعت خاصی خراب ہوگئی تھی، عورتیں تھک گئی تھیں اس وجہ سے "جمرۂ عقبہ" کی رمی (کنکری مارنا) تاخیر سے کی، پہلے روز صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے بھیڑ بہت ہوتی ہے، اِکا دُکا حوادث بھی ہو جاتے ہیں۔ دوسری صبح کو سعید سلمہ، اور مولوی قمر علی صاحب قربانی کرنے گئے، ہم کمزوری کی وجہ سے ہمت نہیں کر سکے۔ حلق کیا اور قافلہ طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوگیا، سب نے حلقہ بناکر طواف کیا، سعی کی، اب حج کے مناسک میں ۱۳ر ذی الحجہ تک صرف جمرات کی رمی باقی رہ گئی۔ سعی سے فارغ ہوکر منیٰ واپسی ہوئی، واپسی بس سے ہوئی خدا کے بندے نے ہمیں جمرات کے سامنے دوسری جانب پہاڑی پر اتار دیا، راستہ پہاڑی سے اتر کر تھا، پہاڑی خاصی اونچی اور ناہموار تھی اور چھوٹی کنکریوں پر سے پھسلنے کا اندیشہ تھا، عورتوں سے دریافت کیا کہ ہمت ہے، تیار ہوگئیں، بچوں کو تو لطف آیا، مگر ہم لوگ کئی بار پھسلتے پھسلتے بچے۔ بحمد اللہ بخیریت قیام گاہ پہونچ گئے، اب ۱۳ر ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرنا ہے اور روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارنی ہے۔

اس دوران مختلف اوقات میں سعودی جامعات میں زیر تعلیم ندوی طلباء سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، مولوی سلمان، انس، نظام الدین، مولوی علی احمد صاحب، مولوی اقبال صاحب، نجم الدین عبد الباری صاحب اور قاری عبد الحمید صاحب جو دبئی سے حج اور مع والدین و اہل خانہ آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کراچی سے تشریف لائے ہیں بہت تلاش کیا مگر ملاقات نہ ہوسکی، بڑا افسوس ہوا ہم سب مولانا مدظلہ سے ملاقات کے متمنی تھے

منیٰ میں ایک روز بڑی بھیانک آگ لگ گئی۔ ایک حاجی صاحب کھانا پکا رہے تھے کسی طرح آگ کپڑوں میں لگ گئی اور پھیلتی چلی گئی، کئی معلموں کے خیمے جل گئے خاص طور سے معلم احمد شیر پنجابی کا خیمہ خاکستر ہوگیا اس میں ہند و پاک کے حاجیوں کی تعداد زیادہ تھی بڑا نقصان ہوا، اللہ تعالیٰ تلافی فرمائے، سعودی عملہ نے بڑی مستعدی و جانفشانی سے آگ پر قابو پایا۔

۱۳ر ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ واپسی ہوئی، ۱۶ر ذی الحجہ کی صبح تک قیام کرنا ہے، اب جتنا موقع ملے طواف کریں اور حرم میں وقت گذاریں۔

مکہ مکرمہ کا قیام اور حرم کی حاضری سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے، خوب خوب دعائیں کیجئے، نفلیں پڑھئے، دنیا و آخرت کی حاجتیں مانگئے، دینے والے نے صلائے عام دے رکھی ہے، اس کے خزانے میں کس چیز کی کمی ہے مانگنے والا چاہیئے اور مانگنے کا سلیقہ، ملتزم، مطاف، مقام ابراہیم، میزاب رحمت حرم کی گیلریوں اور در و بام پر مانگنے والوں کا ہجوم، ہاتھ اٹھے ہوئے لب کھلے ہوئے، آنکھیں تر، دیکھ کر رشک آتا اور زبان پر جاری ہو جاتا بار الٰہا، ہمیں بھی مانگنے کا سلیقہ عطا فرما دے اور ان اٹھے ہوئے ہاتھوں کے صدقہ میں ہماری بھی دعاؤں کو قبول فرمالے، ہم ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تیرے حضور میں دعا گو ہیں، گنہ گار، خطا کار، قصوروار اور کوتاہ وسراپا تقصیر ہیں، تو محض اپنے کرم سے درگذر کر، معاف فرما اور بخش دے، دعائیں مانگنے والے مجمع میں کھڑے ہو جاتے اور انھیں کے ساتھ آمین کہتے رہتے، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ انھیں کی برکت سے قبول فرمالے۔

۱۵ر ذی الحجہ کو عشاء کے بعد عورتوں کو طواف وداع کرا دیا، تاکہ صبح سویرے روانگی ہو سکے فجر کے بعد طواف میں بھیڑ بھی زیادہ ہوتی ہے سب نے رو رو کر دعا کی کہ اللّٰھم اجعلہ حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً وسعیاً مشکوراً۔ اے اللہ! اسے آخری حج اور آخری آمد نہ بنا بلکہ بار بار حج و زیارت نصیب فرما۔

جدہ میں ابو عبیدہ سلمہ کے یہاں چند گھنٹے قیام رہا پھر شام کو ۵ بجے کی فلائٹ سے ریاض واپسی ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اب سعودی یونیورسٹیوں میں حج کی چھٹی صرف ۱۰ روز کی ہوتی ہے اس لئے مدینہ منورہ کی حاضری نہیں ہو پائی، ربیع الاول میں ۱۲ روز کی چھٹی ہوگی تو اس میں مدینہ منورہ جانے کا پروگرام ہے اور عمرہ کرتے ہوئے واپسی ہوگی انشاء اللہ۔

اس بار حج کے سفر میں چند باتیں بڑی شدت سے محسوس ہوئیں جن کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔ ہم نے دعاؤں کی چند کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب مدظلہ کی کتاب "آپ حج کیسے کریں" "آسان حج"، اور "معلم الحجاج" مولفہ مفتی صاحب رکھ لی تھی مولانا نعمانی کی کتابیں بڑی مفید، ایمان پرور، شوق و ذوق اور سوز و گداز پیدا کرنے والی ہیں، قاری کے دل کو جوش و جذبہ سے لبریز کر دیتی ہیں خاص طور سے حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم کا مضمون "گھر سے بیت اللہ تک"، تو ایمان و یقین، جذب و شوق، سوز و مستی اور آنکھوں میں نور، دل میں سرور پیدا کرنے میں لاجواب ہے۔ اس سے زیادہ موثر اور اثر انگیز مضمون نظر سے نہیں گذرا، بار بار پڑھتا اور سر دھنتا ہوں، از دل خیزد بر دل ریزد۔

مگر قاصد حج کو قدم قدم پر مسائل حج درپیش ہوتے ہیں۔ چونکہ اس دور میں حافظے کمزور ہیں جزئیات یاد نہیں رہتی ہیں، اس وجہ سے میرا خیال ہے۔ حضرت نعمانی مدظلہ اپنی کتاب میں اہم اور ضروری مسائل کا اضافہ ضرور فرمادیں، معلم الحجاج میں مسائل ضرور ہیں مگر اسلوب اور انداز موثر نہیں ہے اس میں بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مختصر اور عام فہم بنانے کی کوشش ہونی چاہیئے۔

اب سال بسال حجاج کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اسی لحاظ سے سعودی حکومت توسیع، ترمیم اور سڑکوں و راستوں کی ہمواری میں بے دریغ خرچ کر رہی ہے نظم و ضبط کے لئے بھی پوری کوشش کرتی ہے مگر خود حجاج میں یہ احساس و شعور اور ذمہ دارانہ خیال ہونا چاہیئے، صفائی ستھرائی، نظم کے ساتھ طواف و سعی منظم طریقہ پر رمی جمرات اور ہر ساتھی اور حاجی کو آرام پہونچانے اور ایذا رسانی و تکلیف سے بچانے کا دھیان ہونا چاہیئے۔

اسلامی بیداری، وعظ و ارشاد کے یہاں بھی متعدد شعبے اور شاخیں قائم ہیں اور ہر ملک میں حج بورڈ اور حج کمیٹیاں ہیں، حاجیوں کے گروپ بناتے وقت ان کی تعلیم و تربیت

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

ہندوستان میں

عربی زبان و ادب کا ارتقاء

ایک جائزہ

از: ڈاکٹر شبیر احمد ندوی قادر آبادی

دوسری اور آخری قسط

جہانگیر، اپنی علمی و دینی خدمات کے لحاظ سے یقیناً "نور الدین" تھا، لیکن اسے مورخین کی ستم ظریفی کے سوا اور کیا کہئے کہ اسے صرف نور جہاں کا ہی جہانگیر بنا کر چھوڑ دیا حالانکہ اسلامی ہندوستان کا مورخ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ عہد اکبری کے فتنوں کا سدباب، مدارس دینیہ کا قیام علماء کرام اور طلباء امت کے لئے معاش کا انتظام اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہندوستان کو صحیح راستہ پر، شعوری طور پر لگانا، جہانگیر کا روشن اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے، ورنہ نہیں کہا جاسکتا کہ آج کے ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا۔

جہانگیر نے ایک قانون بنا دیا تھا کہ اس کی مملکت میں کوئی مالدار رئیس یا تاجر کسی جانشین یا وارث کے بغیر مر جائے تو اس کی تمام جائداد اور املاک حکومت کی ملک ہو جائے گی اور وہ مدرسوں اور خانقاہوں میں صرف ہوگی۔

اصل میں جہانگیر، بابر کے سوز و گداز، ہمایوں کی علمیت اور اکبر اعظم کے تدبر و دانائی کا حسین امتزاج تھا۔ اس نے اپنے وقت کے یکتائے روزگار فضلاء سے درس لیا تھا، مشہور فقیہ ملا علی قاری کے استاذ مولانا میر کلاں محدث اس کے بھی استاذ رہے ہیں، شیخ سلیم چشتی نے اس کے لئے دعائیں کی تھیں، اس طرح وہ ادیب و شاعر محقق و نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ دین و معرفت کی دولت سے مالامال ایک سلجھے ہوئے انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے مقام و مرتبہ کو اس نے پہچانا اور ان کے شایان شان ان کی قدر افزائی کی۔ حضرت مجدد اعظم شیخ احمد سرہندیؒ کی مصاحبت اور ان سے ذاتی تعلق کو اپنے لئے سرمایۂ نجات اُخروی سمجھا۔ ان تمام ہوا چیزوں نے اس کے قدر و قامت میں ایک دل کش اضافہ کیا اور اسی کے ساتھ ان دونوں علم و فضل کے مشعل برداروں نے بھی اپنے سماج اور معاشرہ کا گہرا مطالعہ کیا، امراض کی نشان دہی کی، اور پھر اس کی اصلاح کے لئے اپنے آپ کو بہ نفس نفیس تیار کیا۔ باقاعدہ انقلابی انداز اور تحریکی سطح پر اس کے لئے سرگرم ہوئے جس کے طفیل میں مجدد اعظم جیسا مصلح و داعی الی الخیر اور شیخ عبد الحق محدثؒ جیسا مرد باخبر اور ان کی تصنیفات کا گراں قدر ذخیرہ آج ہندوستان کو نصیب ہو سکا اس دور کے علماء میں مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی، مولانا تقیا شوستری مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی بھی قابل ذکر ہیں۔

شاہ جہاں کا عہد زریں درحقیقت تاج مغلیہ کا طرۂ امتیاز ہے اس دور فرخ فال اور ساعت ہمایوں میں ایسے ایسے فضلاء موجود تھے جو اپنے فنون کے امام تھے، آفتاب پنجاب ملا عبد الحکیم سیالکوٹی ایک مدرسہ کی حیثیت رکھتے تھے، بے شمار درسی کتابیں اور شروح و حواشی لکھکر انھوں نے اسلامی ہندوستان پر قابل قدر احسان کیا ہے۔ تفسیر بیضاوی پر معرکۃ الآراء حاشیہ اور فن کلام میں الدرۃ الثمین ان کے قلم اعجاز رقم کے تابندہ شاہ کار ہیں۔ اسی عہد کے دو بہم وطن اور نامور فرزند ملا محمد جون پوری اور دیوان عبد الرشید جون پوری بھی ہیں جن کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی کے بعد دو ایسے علماء و وقت کبھی اکٹھا نہیں ہوئے۔ ملا محمود ایک زبردست فلسفی اور ماہر سائنس داں تھے وہ فنون حکمت و ہیئت کے ساتھ ساتھ رصد خانہ کی تعمیر سے بخوبی واقف تھے، فلسفہ میں الحکمۃ البالغۃ اُن کی قابل ذکر تصنیف ہے جس کی شرح انھوں نے خود ہی شمس بازغہ کے نام سے لکھی ہے، اگر اس کتاب سے قطع نظر کر لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علماء ہند فلسفہ میں صرف بیرونی ممالک کی مشہور فلسفیانہ کتابوں کی شرح لکھتے رہے، اسی طرح "الرشیدیہ" فن مناظرہ میں دیوان عبد الرشید کی ایک بے مثال کتاب ہے۔ ان کتابوں سے آج تک فائدہ پہونچ رہا ہے۔

فاضل اکمل ملا عبد السلام لاہوری اسی دور کے ایک مایۂ ناز عالم تھے، ساٹھ سال تک درس و تدریس میں گذار دئے، جس کے نتیجہ میں اساتذہ کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جن میں ملا عبد السلام دیوی، موصوف کے ہم نام اور لائق شاگرد بہت مشہور رہیں۔ ان سے ملا دانیال چوراسی اور پھر ان سے مولانا قطب الدین سہالوی کو شرف تلمذ تھا۔ ان سے قطب الدین شمس آبادی اور امان اللہ بنارسی نے درس لیا۔ انھیں کے نامور شاگرد ملا نظام الدین درس نظامیہ کے بانی ہوئے۔ شاہ جہاں کے امام قاضی محمد اسلم ہروی اور وزیر اعظم شیخ سعد اللہ علامہ دوراں اسی دور کے ماہر عربداں گذرے ہیں۔ ان کے علاوہ علماء الملک تونی فاضل خاں، ملا محمد فاضل بدخشانی، ملا مبارک، شیخ عبد اللطیف سہارن پوری وغیرہ علم و فن کے روشن چراغ رہے ہیں۔

عالم بادشاہ محی الدین اورنگ زیب کا زمانہ تو علوم و فنون کی بہار کا زمانہ ہے، مغلوں نے اس وقت تک تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ ہندوستان میں گذار لیا تھا، عقلیں پختہ ہوگئی تھیں، اولوالعزمیوں کے گوشے وسیع سے وسیع تر ہو گئے تھے اس لئے ذہن و دماغ طبعاً کچھ تخلیقی اور طبع زاد عمل کی طرف مائل تھے، شاید یہی فطری تقاضا تھا جس کے تحت فتاویٰ عالمگیری کی تدوین عمل میں آئی اور اس کی ترتیب کے لئے وہ جامع طریقہ کار اختیار کیا گیا جس سے علماء کی عظمت شان کے ساتھ ساتھ خود عالمگیر کی وسعت نظر اور اس کے علمی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس نے ملا موہن بہاری، علامی سعد اللہ، مولانا محمد ہاشم گیلانی، شیخ عبد القوی اور شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون سے سبقاً سبقاً درس لیا تھا۔ دین و ادب کے فروغ اور اسلامی علوم کی نشر و اشاعت میں اورنگ زیب کی بڑھتی ہوئی دلچسپی نے پورے ملک میں ایک عام بیداری کی لہر پیدا کر دی تھی، چنانچہ اس ضمن میں علماء کی سرپرستی کی گئی، طلباء کے وظائف مقرر کئے گئے اور مدرسوں کی حالت بہتر بنانے کی طرف توجہ کی گئی اس طرح جگہ جگہ علم کی بستیاں آباد ہوگئیں، علماء و فضلاء میں شیخ نظام برہان پوری، ملا محمد جمیل جون پوری، قاضی محمد حسین جون پوری، شیخ وجیہ الدین گوپاموی، شیخ سلیمان میسری، ملا عبد اللہ سیالکوٹی، شیخ قطب برہانپوری، سید علی اکبر سعد اللہ خانی وغیرہ اپنے علم و فضل ذکاوت و ذہانت اور فطرت عالی کی وجہ سے عوام میں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اسی طرح علم و ادب کی سمت رفتار کو تیز تر کرنے میں عہد عالمگیری کے ادباء و مصنفین کا بہت بڑا حصہ ہے یہ ماہرین ایک طرف مسند درس کو رونق بخشتے تھے تو دوسری طرف اپنی گراں قدر تصنیفات کے ذریعہ نصاب تعلیم کی کمیوں کو پورا کرتے تھے، ان میں قاضی محب اللہ بہاری، قاضی میر زاہد بن اسلم الہروی اور شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون وغیرہ وہ مایۂ ناز اہل قلم ہیں جن کی علمی شاہ پاروں نے درس نظامی کے نصاب کو تقریباً دو ڈھائی سو برس تک اپنے پنجے میں دبائے رکھا۔ سلم العلوم، مسلم الثبوت، رسالہ میر زاہد اور نور الانوار وغیرہ سے درس نظامیہ کا ہر طالب علم بخوبی واقف ہوگا کہ یہ درس نظامی کی اہم کڑیاں ہیں۔

ملا عبد السلام دیوی جن کا سلسلۂ تلمذ ملا فتح اللہ شیرازی تک پہنچتا ہے اور جو شیخ عبد السلام لاہوری کے لائق جانشین تھے۔ امان اللہ بنارسی جو فن منطق و کلام کے ایک جید عالم گذرے ہیں، شیخ غلام نقشبند لکھنوی عربی زبان کے ایک بلیغ شاعر، یہ سب اسی دور عالمگیری کی قابل فخر ہستیاں ہیں۔

الغرض عربی زبان و ادب کا ہندوستان سے گہرا تعلق ہے اس زبان نے ہمارے ملک بہت سے تہذیبی خاکوں میں رنگ کاری کی ہے اور

ملک میں بلا سودی نظام

۱۰ر دسمبر ۸۰ء کے قومی آواز کے ایک جائزے سے اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ کانپور کے صنعتی مزدور سود خور مہاجنوں کے چنگل میں اس بری طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ اصل رقم سے کئی گنا دینے کے باوجود اس سے خلاصی نہیں پاتے اور ہر ماہ تنخواہ کے دن مہاجن اپنے پہلوانوں کے ذریعہ فیکٹری کے دروازے پر پہنچ کر اصل رقم پر بننے والا سود وصول کر لیتے ہیں اور اصل باقی رکھ چھوڑتے ہیں۔ مہاجنوں کے ذریعہ اس طرح مزدوروں کا استحصال کیا جانا افسوسناک بھی ہے اور تشویشناک بھی۔ ہمارے ملک کے قومی رہنماؤں وسماجی کارکنوں کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اس کا کوئی ایسا طریقہ نکالنا چاہئے جس سے ان غریب مزدوروں کو سود کی لعنت اور مہاجنوں کے استحصال سے بچایا جا سکے۔

یہ مسئلہ صرف کانپور کے صنعتی مزدوروں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ملک کے ہر ضلع وشہر کے غریب عوام اور خصوصاً مزدور، کسان، تیسرے اور چوتھے درجہ کے سرکاری ملازمین تک اس لعنت میں گرفتار ہیں اور ان مہاجنوں کے ذریعہ ان کا استحصال ہو رہا ہے۔ یہ مہاجن ان مجبور وبے بس انسانوں سے بیسوں گنا رقم وصول کر کے ان کا استحصال کرتے ہیں اور عدم ادائیگی کی صورت میں ان کی عزت وآبرو پامال کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ دوسرے فرقوں کی بہ نسبت مسلمان معاشی پسماندگی وبے روزگاری کے سبب اس کا زیادہ شکار ہے، نہ جانے کتنے مسلم گھرانوں کی رہن شدہ جائدادیں، برتن، زیورات سود خور مہاجنوں کی نذر ہو چکیں اور آج بھی ہوتی ہوئی دیکھی جا رہی ہیں۔ یہی وہ سنگدلانہ واقعات ہیں جس نے ملت کا درد رکھنے والے کچھ مسلمانوں کو اس جانب متوجہ کیا اور مہاجنوں کی محتاجگی سے نجات دلانے کے لئے بلاسودی ادارے قائم کئے اور بلا سودی قرض دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کے بیشتر اداروں نے اپنے دائرۂ کار کو محدود کر رکھا ہے، جس سے افادیت بھی بہت محدود ہے۔ ہم ذیل میں اس قسم کے کچھ ترقی یافتہ اداروں کی مختصر کارگزاری اس گزارش کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ وہ دوسری قوموں کے لوگوں کو بھی بلاسودی قرضوں میں کچھ حصص رکھیں اور اس نظام کو ہمہ گیر بنائیں۔

ادارے کا نام	سال قیام	تقسیم قرض بلاسود
۱۔ مسلم فنڈ دیوبند سہارنپور	۱۹۶۱ء	۲۹۱۲۵۲۰۵
۲۔ مسلم فنڈ نجیب آباد بجنور	۱۹۷۲ء	۹۵۱۸۴۴۲
۳۔ ملی امدادی سوسائٹی ٹاہر اپچہ	۱۹۷۲ء	۹۲۱۷۹۱۳
۴۔ مسلم فنڈ بجنور	۱۹۷۲ء	۹۱۴۱۵۲۵
۵۔ مسلم فنڈ قصبہ محمدی کھیم پور	۱۹۷۷ء	۲۸۵۰۲۱۵
۶۔ مسلم فنڈ شیر کوٹ	۱۹۷۵ء	۲۲۱۵۶۱۸
۷۔ مسلم امدادی سوسائٹی خورجہ	۱۹۷۰ء	۲۱۵۱۲۱۸
۸۔ مسلم فنڈ باغونالی	۱۹۷۲ء	۱۵۱۳۵۸۰
۹۔ مسلم عوامی سوسائٹی گونڈہ	۱۹۷۷ء	۱۲۱۵۳۰۰
۱۰۔ مسلم فنڈ ٹانڈہ بادلی رامپور	۱۹۷۰ء	۱۱۲۸۱۴۵
۱۱۔ مسلم امدادی فنڈ نکوڑ	۱۹۷۵ء	۱۱۲۵۶۱۸
۱۲۔ مسلم فنڈ بڑوت	۱۹۷۳ء	۱۰۲۳۵۱۰
۱۳۔ مسلم فنڈ بستی کرتپور	۱۹۷۷ء	۹۵۱۸۱۳
۱۴۔ مسلم امدادی سوسائٹی نگینہ بجنور	۱۹۷۲ء	۴۴۱۳۰۰
۱۵۔ مسلم فنڈ چاندپور	۱۹۷۸ء	۶۱۵۷۱۵

مندرجہ بالا اداروں کے علاوہ ملک میں کچھ ایسے بھی ادارے ہیں جو ان سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ جن میں "طور بیت المال" حیدرآباد، اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کالی کٹ کیرالا سر فہرست ہیں۔

یوں تو ملک میں اس وقت ایک سو پچاس سے زائد بلاسودی ادارے کام کر رہے ہیں۔ یہاں ہم ان اداروں کی ایک فہرست بھی پیش کر رہے ہیں جو غیر ترقی یافتہ ہیں اور ساتھ ہی ان اداروں کی بابت عوام سے گزارش بھی کرتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ تعاون کریں اور ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اس قسم کے ادارے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مسلم فنڈ گنگوہ سہارنپور۔
(۲) مسلم فنڈ ڈورا پرتاپ گڑھ۔
(۳) قومی امانت سوسائٹی کلکتہ۔
(۴) مسلم فنڈ دہرہ دون۔
(۵) مسلم امدادی سوسائٹی سہارنپور۔
(۶) مسلم فنڈ نگرا جوجیس پرگنہ۔
(۷) مسلم امدادی سوسائٹی خورجہ بلند شہر۔
(۸) بیت المال سوسائٹی بیارہ قاضی ضلع بستی۔
(۹) مسلم امدادی سوسائٹی مظفر نگر۔
(۱۰) مسلم فنڈ برن پور بردوان۔
(۱۱) اسلامی جدید بیت المال نگینہ بجنور۔
(۱۲) مسلم رفاہی سوسائٹی لکھنؤ۔
(۱۳) فلاحی بیت المال باغ قاضی لکھنؤ۔
(۱۴) مسلم فنڈ بچھرایوں مرادآباد۔
(۱۵) مسلم فنڈ سیوہارہ بجنور۔
(۱۶) مسلم فنڈ سارندہ ضلع ہگلی۔
(۱۷) مسلم فنڈ بنگلور۔
(۱۸) مسلم فنڈ بلند شہر۔
(۱۹) مسلم فنڈ سمڈیگا ضلع رانچی
(۲۰) بیت المال تنظیم ملت کمیٹی ٹانڈہ فیض آباد
(۲۱) مسلم امدادی فنڈ خلیل آباد بستی۔
(۲۴) بیت النصر بمبئی۔
(۲۵) مسلم فنڈ میرٹھ شہر۔
(۲۶) مسلم فنڈ میرٹھ چھاؤنی۔
(۲۷) مسلم فنڈ بھدرسہ فیض آباد۔
(۲۸) مسلم فنڈ ہاپوڑ
(۲۹) مسلم فنڈ ہلدوانی نینی تال۔
(۳۰) بیت المال امدادی سوسائٹی مرادآباد۔
(۳۱) امداد باہمی پوکھرہ بہار۔
(۳۲) مسلم فنڈ مالیگاؤں ناسک۔
(۳۳) مسلم فنڈ رائے چوٹی۔
(۳۴) مسلم فنڈ کروڈیہہ۔
(۳۵) مسلم فنڈ سہنول بھاگلپور۔
(۳۶) مسلم فنڈ رانچی۔
(۳۷) مسلم امدادی فنڈ نکوڑ۔
(۳۸) مسلم فنڈ اجراڑہ
(۳۹) مسلم فنڈ کھتوڑ۔
(۴۰) مسلم فنڈ غازی آباد۔
(۴۱) مسلم فنڈ بڑھاپور
(۴۲) ملت سوسائٹی نانپارہ بہرائچ۔
(۴۳) اترپردیش فلاح عام سوسائٹی فیض آباد۔

دوسرے جہاں اس قسم کے ادارے نہیں ہیں وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس قسم کے ادارے قائم کریں اور غریب مزدوروں اور کسانوں کو سود کی لعنت اور مہاجنوں کے استحصال سے بچانے کی کوشش کریں۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے قومی رہنما وسماجی کارکن اس طرف ضرور دھیان دیں گے اور سماج میں پھیلے ہوئے سود خور مہاجنوں سے غریبوں کو نجات دلائیں گے۔

محمد شمیم
(آفس سکریٹری، فلاحی بیت المال۔ باغ قاضی لکھنؤ)

تعارف خودی بسلسلۂ پیام انسانیت

محمد حسن عرشی، سابق ناظر معہد ندوۃ العلماء

بلبل نالاں، گل ہے پریشاں، عشق بھی برہم، حسن بھی برہم
کھوئے ہوئے ہیں راہیٔ ورہبر یارب ہے یہ کون سا عالم
جلوہ جلوہ پردہ بہ پردہ اس کی صفات و ذات کا عالم
سب ہیں یہ دھوکے وہم ونظر کے عشق پریشاں حسن مجسم
حسن تصور بڑھتے بڑھتے آخر بڑھ گیا حسن مجسم
میری نگاہ شوق نے ہر سو میرے ہی سائے دیکھے ہر دم
سازِ بیاں کی شعلہ نوائی سوز جنوں کے کام نہ آئی
دل کا فسانہ عالم عالم پھر بھی حدیث شوق ہے مبہم
اب بھی جو تم کو شک ہو اس میں رنگ تغیر ہی سے پوچھو
جان بہاراں، روح گلستاں، کل بھی تھے ہم آج بھی ہیں ہم
راہیں گم ہیں منزل اوجھل آنکھ سے نور بصیرت غائب
دل کے داغ بجھے ہیں جب سے دن میں بھی ہے شام کا عالم
فکر ونظر میں ربط نہیں ہے جوش بقدر ہوش نہیں ہے
دل کا ساز ہے ٹوٹا جب سے سب اجزائے حیات ہیں برہم
دیدنی ہے گلہائے چمن میں حسن وعشق کی یہ ہمرنگی
دل ہے شکستہ، لب پہ تبسم، آنکھ میں خون اشک شبنم

طلبہ کا صفحہ

اسلام ہی پناہ گاہ ہے
آج کی
تڑپتی ہوئی انسانیت کی

از: — سید مشتاق علی ندوی

آج ہر سمت سے عدل وانصاف، مساوات، اخوت، رحم وکرم اور غریبوں کا معیار زندگی بلند کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے، ہر ملک ہر پارٹی، ہر جماعت، تمام نظریات وفلسفات بڑے زور شور سے پُرزور انداز میں یہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد انسانیت کی خدمت، اس کو اس کا جائز حق دلوانا، اس کے ساتھ اس کی حیثیت ومعیار کے مطابق معاملہ کرنا ہے۔ لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کسی کو موقع ملتا ہے، اور انسانیت اپنا مداوا ودرماں سمجھ کر اس کے پاس پہونچتی ہے یا وہ انسانیت کے نام پر حکومت واقتدار کی اعلیٰ کرسیوں پر پہونچ جاتے ہیں، تو پھر ان کا انداز گفتگو، طرز فکر زندگی کے طور وطریق، معاملات، حالات اور برتاؤ یکسر بدل جاتا ہے اور انسانیت کے زخم پر بجائے مرہم رکھنے، اس کا درد دور کرنے کی کوشش کے، اس کے زخموں پر مزید نمک مرچ چھڑکتے ہیں اور انسانیت وشرافت کے حسین وجمیل چہرہ پر بدنما بھدا داغ بن کر ابھرتے ہیں۔

اور پھر غریب، بے یار ومددگار، خانہ بدوش، انسانوں کا گویا تصور بھی ان کو کبھی نہیں آتا، حالاں کہ ان ہی کے نام کا کلمہ پڑھ پڑھ کر اس مقام پر پہونچے تھے، اور ان کی آہوں، کراہوں کا واسطہ دے کر کرسی حاصل کی تھی اور اب ان کی آواز بُری، ان کی صورت سے نفرت، ان سے بات کرنے سے کدورت اور ان کا کام کرنے میں شرم وغیرت، ان کے پاس جانے میں بے عزتی معلوم ہوتی ہے اور اب صرف واسطہ، اچھے مکانوں، اعلیٰ ہوٹلوں، بہترین ولذیذ کھانوں، زرق وبرق لباسوں اور دوست واحباب سے رہتا ہے اور اپنی خواہش ذاتی غرض ومصلحت پر لاکھوں انسانوں کی خواہش اور ان کی مصالح کو قربان کرنے میں ادنیٰ تامل وتردد نہیں ہوتا، اسی طرح اپنے اعزا واقربا، اپنے سے اعلیٰ عہدے والوں کی چاپلوسی مداہنت میں بڑا سے بڑا قانونی جرم، قانون کی خلاف ورزی، عدل وانصاف سے انحراف، حق سے تجاوز کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہوتا، آج انسانیت سسک رہی ہے، کراہ رہی ہے، دم توڑ رہی ہے اور آس لگائے ہوئے ہے کہ کوئی غیب کے پردے سے رحمت کا فرشتہ بن کر سامنے آئے اور اس کے امراض وآلام کا مداوا کرے اور زخموں پر مرہم رکھے۔

آج اگر انسانیت کو اس کے درد کا درماں اور اس کی بیماری کا علاج کہیں ہے یا کوئی کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام اور اسلام کی لائی ہوئی کتاب مبین ہے۔

تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ جب، جس زمانے میں جس نے بھی اس پر عمل کیا ہے، اس کی رسی کو مضبوطی سے تھاما ہے اور اس کے اصولوں، قاعدوں، طریقوں کو اپنایا ہے تو اس کو حیرت انگیز اور تعجب خیز کامیابی وکامرانی ملی ہے، اور انسانیت کو ایسی ترقی، ایسا اقبال وعروج نصیب ہوا کہ شیطنت وبربریت حسد وبغض میں جل بھن کر خاک وخون میں تڑپ رہی ہے۔

صرف عدل وانصاف، مساوات، قانون کی پابندی، اصول پر اٹل رہنا، قانون کی گرفت میں آنے کے بعد امیر وغریب، غلام وآقا، شاہ وگدا، اپنے وبیگانے، چھوٹے بڑے کا امتیاز نہ کرنے ہی کو لیجئے کہ جو نمونہ مسلمانوں نے پیش کئے ہیں وہ آج بھی زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور رہتی دنیا تک سنگ میل کا کام دیتے رہیں گے۔

میں عہد نبوت، دور خلافت کے واقعات کو چھوڑتا ہوں کہ آپ کہیں یہ عذر نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو موم کر کے دین اسلام کو ان کے قلوب کے اندر جا بسا دیا تھا اور صحبت نبوی نے ان کے جذبات احساسات اور خیالات کو ایسا مسخر کر لیا تھا کہ اسکے علاوہ وہ سوچتے ہی نہیں تھے۔

میں زمانۂ نبوت سے بہت بعد بلد حرام سے بہت دور ایک ایسے ملک کے چند واقعات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہونچا اور جس کو اسلام کا پیغام پہونچانے والے ویسے بلند کردار، صاحب حمیت وغیرت، علم وفضل کے پیکر، سیف وقلم کے جامع نہیں ملے جیسے دوسرے ملکوں کے حصے میں آئے اور جس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ اس کو سکنڈ ہینڈ اسلام ملا تو غلط نہ ہوگا۔ میری مراد ہندوستان سے ہے یہاں کے بعض مسلمان بادشاہوں نے عدل وانصاف کی ایسی نادر مثالیں پیش کیں کہ دنیا کے دوسرے مذاہب کی تاریخ اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں تو ملنا مشکل ہی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور بادشاہ محمد بن تغلق شاہ دہلوی (م ۷۵۲ھ) کے حالات میں مولانا عبدالحی حسنیؒ (م ۱۳۴۱ھ) اپنی محققانہ بے نظیر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں لکھتے ہیں کہ ایک بڑے بت پرست نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بغیر سبب کے قتل کر دیا ہے، چنانچہ قاضی نے بادشاہ کو عدالت میں حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا، تو بادشاہ پیدل چل کر بغیر ہتھیار وغیرہ کے قاضی کی عدالت میں پہونچا اور حسب دستور سلام کیا اور قاضی کے سامنے کھڑا ہوا اور قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو مقتول کے بھائی کو راضی کرنا ہوگا چنانچہ بادشاہ نے اس کو منا لیا۔

اسی طرح کسی شہزادے نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد بن تغلق نے اس کو بغیر سبب کے مارا تو قاضی نے فیصلہ کیا کہ یا تو آپ اس سے مال وغیرہ دے کر معاف کروا لیجئے یا پھر اس کو بدلہ لینے کا موقع دیا جائے گا۔ چنانچہ اس شہزادے کو لایا گیا اور اس کو ایک چھڑی دی گئی، اس نے لکڑی لے کر ۲۱ بار بادشاہ کو مارا۔ ابن بطوطہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ بادشاہ کی ٹوپی سر سے گر گئی ہے۔ (ص ۱۳۱ ج ۲)

نویں صدی ہجری میں دکن کے بادشاہ سلطان علاء الدین بہمنی (۸۳۸ - ۸۶۲ھ) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ جمعہ کا خطبہ خود ہی دیتا تھا اور اثنائے خطبہ اپنا ذکر ان القاب کے ساتھ کرتا: "السلطان العادل الکریم الحلیم الرؤف بعباد اللہ الغنی علاء الدنیا والدین علاء الدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ البہمنی"

ایک مرتبہ خطبہ دے رہا تھا اور جب اس عبارت پر پہونچا تو احاد کا ایک شخص کھڑا ہوا جو تجارت کے لئے آیا ہوا تھا، اور بادشاہ نے اس سے چند گھوڑے خریدے تھے، لیکن اس کے وزراء نے اس وقت تک قیمت ادا نہیں کی تھی، اور کہا واللہ نہ تو عادل ہے نہ کریم، نہ حلیم ہے اور نہ ہی رعایا پر مہربان۔ اے ظالم! جھوٹے، بے گناہ مخلوق کو قتل کرتا ہے اور منبروں پر اپنے شیخ میاں مٹھو۔

بادشاہ اس کے ان الفاظ سے اتنا متاثر ہوا کہ وزراء پر بہت برہم ہوا اور باچشم پرنم فوراً گھر میں چلا گیا، اس کے بعد پھر کبھی گھر سے نہیں نکلا، اس کا جنازہ ہی لوگوں نے گھر سے نکلتے دیکھا۔ (ص ۱۰۱ - ۱۰۲ جلد ۳)

دسویں صدی ہجری کے مشہور قاضی شکر اللہ سندی کے حالات میں لکھا ہے کہ حسین بن شاہ بیگ بادشاہ سندھ نے کسی تاجر سے چند گھوڑے خریدے اور قیمت دینے میں ٹال مٹول کی تو تاجر نے قاضی صاحب کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، قاضی صاحب نے وارنٹ جاری کیا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر ہو اور تاجر کے ساتھ کھڑے ہو کر معاملہ پیش کرے، چنانچہ بادشاہ آیا اور قاضی صاحب نے تاجر کے حق میں فیصلہ دیا، اور بادشاہ نے تاجر کو قیمت دیکر راضی کیا۔

پھر قاضی صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور آداب سلطانی ادا کئے، بادشاہ ان کے پہلو میں بیٹھ گیا اور ان کو خنجر دکھاتے ہوئے کہا کہ میں اس کو اپنے ساتھ اس لئے لایا تھا کہ اگر تم میرے خوف سے ذرا بھی حق سے ہٹے تو پھر اس سے تمہارا کام تمام کر دوں گا، اس پر قاضی صاحب نے اپنے تکیہ کے نیچے سے تلوار نکال کر کہا میں نے بھی یہ اسی لئے رکھ لی تھی کہ اگر آپ نے اس وقت اپنی حیثیت سے ذرا بھی تجاوز کیا تو اس سے خبر لوں گا، یہ سن کر بادشاہ شاداں وفرحاں واپس ہو گیا۔ (ص ۱۳۹ جلد ۴)

←

بنے گا ہند پھر گہوارۂ امن و اماں شبلی

(دو محبانِ وطن علامہ شبلی اور کیفی اعظمی کے درمیان مکالمہ)

موضوع :- اقلیت پر فرقہ پرستوں کے مظالم۔ مقام :- عالمِ خیال

(۱)

شبلی :- مسلماں پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک؟
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک؟
قبائے مسلمِ ہندی کے پُرزے ہو گئے لیکن
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک؟
جو سیلابِ مظالم ہر طرف سے امڈا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک؟
بچیں گے اس سے فرزند و عیال و خانماں کب تک؟

کیفی :- زوالِ ملتِ اسلامیہ کے نوحہ خواں شبلی !!
مبارک ہو کہ پھر ہے برسرِ کیں آسماں شبلی
مٹا سکتا ہے لیکن کون یہ نام و نشاں شبلی
دھواں گرما چکا اڑنے کو ہیں چنگاریاں شبلی
جہاں بھی ملک و ملت کو بچانے کا سوال آئے
وہاں کیا فکرِ فرزند و عیال و خانماں شبلی

(۲)

شبلی :- پریشاں ہو گئے شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ ظلم کی یہ آندھیاں کب تک؟
"عروسِ ظلم" کی خاطر اگر درکار ہے افشاں
ہمارے ذرہ ہائے خاک ہوں گے زرفشاں کب تک؟

کیفی :- یقیناً موت کا پیغام ہے تنظیم کی خامی
جگا بھی تو دیا کرتا ہے اکثر دردِ ناکامی
الگ تھا ہو رہے ہیں منتشر اوراقِ اسلامی
کہ اب زورِ حمیت سے دبیں گی آندھیاں شبلی

(۳)

شبلی :- کوئی پوچھے کہ اے بغض و عداوت کے پرستارو
یہ ظلم آرائیاں تا کے؟ یہ حشر انگیزیاں کب تک؟
یہ جوشِ انگیزیٔ طوفانِ بیداد و بلا تا کے؟
یہ لطف اندوزیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک؟

کیفی :- ہوا خونِ مسلماں سے جو دامانِ چمن رنگیں
ندامت میں بجا ڈوبے ہوئے ہیں سنگدل گلچیں
بنیں گی ظالموں کے واسطے خود باعثِ نفریں
یہ حشر انگیزیاں شبلی، یہ ظلم آرائیاں شبلی

(۴)

شبلی :- یہ مانا ان کو ہتھیاروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحاں کب تک؟
سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹایا جائے گا آخر نشانِ رفتگاں کب تک؟

کیفی :- لیا ہے یہ سبق ہم نے خود اپنے خوں فشاں دل سے
ستم کی خو بدل سکتی نہیں فریادِ بسمل سے
تڑپ کر چھین لیں گے تیغ ہی ہم دستِ قاتل سے
ہماری گردنوں پر اب نہ ہو گا امتحاں شبلی

(۵)

شبلی :- یہ مانا گرمیٔ محفل کا ساماں چاہیے ان کو،
دکھائیں ہم مگر ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک؟
یہ مانا ظلم کے پودے کو دینا ہے انھیں پانی
ہم اپنے خون سے سینچیں گے انکی کھیتیاں کب تک

کیفی :- نہ گھبراؤ ذرا مظلوم کے ہاتھوں میں ہے پرچم
اب ان کے نعرہ ہائے حق سے تھرّا تا ہے اک عالم
ہوئیں جب ظالموں کی محفلیں خود درہم و برہم
تو کیا دیکھیں گے وہ ہنگامۂ آہ و فغاں شبلی

(۶)

شبلی :- یہ مانا قصۂ غم ہی سے ان کا جی بہلتا ہے
سنائیں اپنی بربادی کی لیکن داستاں کب تک؟
یہ ہیں وہ، نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
تو راتوں ان کو سنائیں گے یتیم و ناتواں کب تک؟
جو ظالم رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنا چاہیں
یہ پیران کو دکھائیں گے شہیدِ ناتواں کب تک؟
خدارا تم یہ سمجھے تھے کہ یہ تیاریاں کیا ہیں!
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟
ہے ظلم و جور روا استبداد ہی کا نام اگر قانون
تو پھر ہندوستاں کب تک تو پھر ہندوستاں کب تک؟

کیفی :- وہ گل شعلہ بنے جن پر ستم کروٹ بدلتا تھا
وہ رات آخر ہوئی جس میں چراغِ ظلم جلتا تھا
وہ دل خود ہی دہلتا ہے کبھی جو دل بہلتا تھا
قریبِ ختم آ پہنچی ہے خونی داستاں شبلی!
بنے گا ہند پھر گہوارۂ امن و اماں شبلی

بقیہ صفحہ : اسلام؟ . . .

دسویں صدی ہجری ہی کے مشہور مورخ، فقیہ، عادل بادشاہ، سلطان مظفر حلیم گجراتی (۸۷۵ - ۹۳۲) کے بارے میں آصفی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جانیانیر کے قاضی کا قاصد بادشاہ کے پاس، ان کے آرام اور تنہائی کے وقت پہونچتا ہے کہ آپ پر ایک گھوڑے والے کا دعویٰ ہے۔ بادشاہ فوراً قاصد کے ساتھ پیادہ پا قاضی کی عدالت کو چل دیتے ہیں اور وہاں پہونچ کر اپنے خصم کے ساتھ قاضی کے سامنے بیٹھتے ہیں، تاجر دعویٰ کرتا ہے کہ انھوں نے ابھی تک اس کے گھوڑوں کی قیمت ادا نہیں کی اور اس کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ تاجر ساتھ ہی یہ قید لگاتا ہے کہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے بادشاہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں، قاضی صاحب اس کے حق میں فیصلہ سناتے ہیں اور جب تک تاجر نے قیمت پر قبضہ نہیں کر لیا بادشاہ اس کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں۔ جب تاجر کے پاس قیمت پہونچ گئی تو قاضی صاحب نے کہا اب تو کوئی اور شکایت نہیں؟ تاجر شکر و امتنان کے لہجہ میں نفی میں جواب دیتا ہے۔ تو اب قاضی صاحب اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں اور بادشاہ کو حسبِ معمول سلام و آداب عرض کرتے ہیں۔ بادشاہ بھی اپنی جگہ فوراً کھڑے ہوتے ہیں اور قاضی صاحب کو ان کی جگہ پر بٹھاتے ہوئے، ان کے پہلو میں بیٹھ کر، حق کے سلسلے میں مداہنت و نرمی سے کام نہ لینے پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گویا ہوتے ہیں کہ اگر آپ میری رعایت میں اپنی روش کو چھوڑتے تو میں فوراً آپ کو منصبِ قضا سے ہٹا کر عوام الناس میں شامل کر دیتا تاکہ آپ دوسروں کے لئے نمونہ نہ بنیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ حق پر ثابت قدم رہے اور سچ یہ ہے کہ قاضی ہونے کا استحقاق آپ ہی جیسے لوگوں کو ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا اور حق یہ ہے کہ بادشاہت بھی آپ ہی جیسے لوگوں کا حق ہے۔ (ص ۳۵۶ - ۳۵۷ جلد ۳)

ہندوستان کی آٹھ سو سالہ تاریخ میں سے یہ صرف "مشت نمونہ از خروارہ" ہے ورنہ ایسی بہت مثالیں ملیں گی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر طبقہ و مذہب کے امراء، حکام، گورنر اور جو بھی کسی عہدے پر فائز ہے وہ ان کو دیدۂ عبرت سے دیکھ کر، جذبۂ عمل سے بڑھ کر دنیا کے سامنے ایسی انسانیت افروز مثالیں پیش کریں کہ دنیا آج اس کو ترس رہی ہے اور مستقبل کے مورخ کا قلم منتظر ہے کہ وہ ان کے بارے میں عادل و منصف، خدا پرست، انسانیت دوست لکھے یا پھر ظالم و جابر، خود پرست، اغراض و مفاد کا بندہ، اقربا پرور لکھنے پر مجبور ہو، اور سب سے بڑھ کر وہ اپنے کو خدا اور خود اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ سمجھیں۔

بقیہ صفحہ : نئی صدی ہجری

استعماری سازشوں دونوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پندرہویں صدی ہجری میں کام کرنے والے دین کے داعیوں کو متنبہ اور خبردار کیا کہ استعمار سے ہوشیار رہیں، الدعوہ نے اپنے تازہ افتتاحیہ میں جرأت و ہمت سے کام لے کر موجودہ مصری حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ چوں کہ اس کا دستور اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیتا ہے، اس کے باوجود سارے قوانین غیر اسلامی ہیں، اس لئے قانونی اور اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ حکومت توڑ دی جائے اور قومی اسمبلی تحلیل کر دی جائے۔ دوسرے رسالہ الاعتصام نے اسرائیلی صدر ناخون کے حالیہ دورے پر سخت تنقید کرتے ہوئے پندرہویں صدی ہجری کے لئے اس کو منحوس واقعہ سے تعبیر کیا۔ دوسری طرف اس نے عراق و ایران کی جنگ میں ایران کی بھرپور حمایت اور عراق پر سخت تنقید کرتے ہوئے عرب ملکوں سے مطالبہ کیا کہ وہ صدام کی حمایت سے باز آجائیں تیسرے رسالہ المختار الاسلامی نے بھی عراق و ایران کی جنگ میں موخر الذکر کی حمایت اور صدام پر سخت تنقید کرتے ہوئے اسرائیل کو اصل دشمن بتایا اور لکھا کہ اسلامی ملکوں کو اپنے اختلافات بھول کر بیت المقدس کی بازیابی کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ ایک نقطہ جس پر تمام اسلامی صحافت کا اتفاق ہے وہ یہ کہ پندرہویں صدی ہجری اسلام کی صدی ہو گی اور اسلام پسندوں سے مطالبہ کیا کہ وہ امیدوں اور اندیشوں گھری ہوئی اس صدی میں کام کرنے کے لئے ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس میں اتحاد و اتفاق اور دین کی طرف رجوع بنیادی عناصر ہوں۔

اس طرح نئی صدی ہجری کا استقبال ہر حلقہ میں کیا جا رہا ہے مگر صرف زبانی اور قلمی جہاد کے ذریعہ۔ عظیم الشان کانفرنسوں اور جشن کے ذریعہ ریڈیو، ٹی۔ وی پر تقریریں کر کے رسالوں اور اخباروں کے خاص نمبر نکال کر۔ یعنی صرف بارات ہی کا ہنگامہ ہے اصل دولہا غائب ہے۔

بقیہ صفحہ : موت کی یاد

اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کی تیاری کی ہے۔

تدفین کے بعد فرزدق نے اپنی بیوی کی قبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اے اللہ! اگر آپ کی رحمت نہ پایا نے میرے گناہوں کو عفو و درگذر نہ کیا تو قبر کی بھیانک گرمی اور تنگی میں مبتلا ہو جاؤں گا میرے لئے وہ وقت بہت کٹھن ہو گا جب اپنی ڈیوٹی کے پابند فرشتے مجھے باندھ کر جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ وہ شخص بہت ہی ناکام و نامراد ہے جس کی گردن میں پھندا ڈال کر گھسیٹا جائے گا۔ اے لوگو! قبروں پر کھڑے ہو کر ان کی ویرانی سے پوچھو کہ تم پر کیا بیت رہی ہے، کون کرب و اذیت میں مبتلا ہے اور کس کو اس کی گھبراہٹ سے نجات ملی، امن و راحت نصیب ہوا اگر اس شہر خموشاں کے لوگ تم سے ملتے ہیں تو تمہیں اس عالم بے کسی کا پتہ دیتے۔ یہاں کی خطرناک منزلوں کی ہولناک خبر سناتے اور کامیاب و بامراد لوگوں کے عیش و راحت کی خبر سناتے مگر سے

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

خدا کا مطیع و فرمانبردار بندہ باغ و بہار میں جا پہونچا اور خدا کا نافرمان بندہ ایسی بے چینی و بے قراری میں مبتلا ہے جس کو چین بھر کی راحت نہیں وہ اس ہیبت ناک گڑھے کے سانپوں، بچھوؤں کا شکار ہے۔ سانپ اور بچھو اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، روح ان کے شدید ڈنکوں کے عذاب میں مبتلا آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، زبان، ان میں سے ہر ایک سے ہونے والے گناہوں کے عذاب کی الگ الگ قسمیں ہیں۔ وہاں ایک قبر پر لکھا ہوا تھا۔

"اے غافل! تم کس کے لئے جمع کر رہے ہو جب کہ تم کو مرنا اور تہہ خاک ہونا ہے"۔

ابن سماک فرماتے ہیں کہ میں ایک قبر کے پاس سے گذرا جس پر لکھا ہوا تھا کہ میرے احباب و اعزہ میری قبر کے پاس سے اس بے التفاتی سے گذر جاتے ہیں کہ جیسے مجھے جانتے ہی نہیں۔ ہائے ورثہ میرے مال کو بانٹ رہے ہیں، میرے قرضوں کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ سب نے اپنے اپنے حصے لے لئے۔ ہائے اللہ یہ لوگ اتنی جلدی مجھے بھول گئے۔

ایک قبر پر لکھا ہوا تھا کہ اے لوگو! میں امیدوں اور تمناؤں میں الجھا رہا، موت نے سب کا خاتمہ کر دیا اور تنگ و تاریک کوٹھری میں پہونچا دیا اور اپنے کرتوت پر مصائب و آلام سے دوچار ہوں، میری وصیت ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زندگی دی وہ اعمال صالحہ کو قبر کا ساتھی بنائے، اللہ سے ڈرے اور اپنا حساب کتاب درست رکھے۔ اے خاموشی قبروں کو دیکھنے والے میں اکیلا ہی یہاں نہیں آیا ہوں بلکہ ہر شخص اس عالم حسرت و یاس میں آنے والا ہے۔ یہاں کی بے بسی سے سبھی کو دوچار ہونا ہے، کسی نے میری تنہائی میں ساتھ نہ دیا، قبر تک آئے سے مٹھیوں میں خاک لیکر دوست آئے وقت دفن زندگی بھر کی محبت فاصلہ دینے لگے

زندگی کے کئی اہم گوشوں کی طرف رہنمائی کی ہے، اس کے رسم الخط کی دلکشی نے تو یہاں کے باشندوں کے دلوں پر اس طرح حکمرانی کی ہے کہ آج بیسویں صدی میں بھی بعض علاقوں کو اسی عربی رسم الخط پر اصرار ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں عہد مغلیہ میں عربی زبان و ادب کا ارتقاء اور اس میں ہندوستانیوں کا حصہ" کا مطالعہ یقیناً ایک سنجیدہ اور دلچسپ موضوع بحث ہے کیوں کہ مسلمان جہاں بھی گئے اپنی زبان اور اپنی مخصوص تہذیب اپنے ساتھ لے کر گئے یا پروفیسر حتی کے لفظوں میں مسلمان جہاں بھی گئے مسجد و مدرسہ ساتھ لے کر گئے۔ یہ چیز جہاں مسلمانوں کے عقلی رجحانات و ذہنی میلانات کی طرف اشارہ کرتی ہے، وہیں علم و فن سے ان کی بے پناہ دلچسپی کی غمازی بھی کرتی ہے۔ اسی بنا پر مسلم سلاطین بھی اس میدان میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے علماء کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا اور طالبان علوم و فنون کے لئے اپنے خزانوں کے منھ کھول دیے، تو معاش و معیشت سے مطمئن ہو کر علم و فن کی خدمت کے لئے علماء نے بھی اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ چنانچہ عہد مغلیہ میں ایک وہ دور ہندوستان پر گذرا ہے کہ مغل بادشاہوں کی معارف پروری اور قدردانی نے سمرقند و بخارا، روم و شام، مصر و یمن کے علمی قافلوں کے راستے لاہور، دہلی، حیدرآباد دکن، آگرہ و اودھ کی طرف موڑ دیے۔ ان علماء کی آمد سے وہ رونق بڑھی کہ سارا ہندوستان فکر و دانش کا مرکز بن گیا۔

دراصل قرون وسطیٰ میں ہندوستان پر فارسی زبان کی بالادستی نے اس حقیقت پر پردہ ڈال دیا تھا کہ مذہبی، تاریخی اور تہذیبی حیثیت سے عربی زبان کی جڑیں تمام ہی مسلم قوموں میں بہت گہری ہیں چنانچہ وسط ایشیا سے آنے والی قوموں نے بھی جن کی مادری زبان فارسی تھی، علوم عالیہ میں اظہار و ابلاغ کے لئے عربی ہی کو ذریعہ کے طور پر اختیار کیا۔ اس کا ثبوت اُن کی اُن علمی تصنیفات سے بخوبی مل سکتا ہے جو فارسی میں تحریر کی گئیں لیکن اکثر و بیشتر ان کے نام عربی کلمات میں ہیں۔

البتہ اس علمی درآمد کا ایک زبردست اثر "ہندوستانی ادبیات عرب" پر پڑا کہ انداز نگارش کے تین نمایاں اسکول یہاں پیدا ہو گئے۔ پہلا ماوراء النہری، دوسرا حجازی، تیسرا ہندوستانی اسکول اور ان سب کے دور میں تاریخ بھی مرتب ہوئے یعنی علماء ہند کی تصنیفات اور ہندوستان کا نصاب تعلیم دونوں ہی اس سے بخوبی متاثر ہوئے اس طور پر کہ ماوراء النہری علماء نے ہندوستانی نصاب تعلیم میں منطق و فلسفہ شامل کیا، حجازی مدرسہ سے متاثر اعلام نے فن حدیث شریف کی چاشنی دی اور خالص ہندوستانیوں نے ان پر شروح و حواشی اضافہ کیا اور اس طرح فنون ادبیہ اور علوم اسلامیہ میں تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم کی تشکیل کا عمل بھی جاری رہا۔ تفسیر، حدیث، تجوید، فقہ، تدوین فتاوی، صرف و نحو، بلاغت، شعر و ادب کے علاوہ کلام، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، طب وغیرہ فنون پر ہندوستانی عربی دانوں نے ماہرانہ قلم اٹھایا اور وہ شاندار تصنیفات سپرد قلم کیں کہ اہل زبان عرب بھی داد و تحسین دیے بغیر نہ رہ سکے اور بعض فنون مثلاً حدیث، میں تو اہل ہند کے تفوق کا اعتراف بھی کیا۔

ہندوستانی ادبا کا بیان یقیناً ایک نکتۂ بحث ہے جو اس میدان میں وہ ضرور اہل زبان عربوں سے کچھ پیچھے ہیں لیکن یہ سقم بھی، مسائل اور حالات کے تحت پیدا ہوا نہ کہ کسی لسانی کمزوری کی وجہ سے۔ اصل میں سرزمین ہندوستان جن مضامین کا مطالبہ کرتی ہے مثلاً فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ، تو اس میں خشکی، پھیکاپن، ناہمواریت اور تعقید کا پایا جانا ایک فطری بات تھی، لیکن بعض دوسرے موضوعات جیسے تفسیر، حدیث، لغت، تجوید وغیرہ فنون جسے اہل ہند نے خود حجاز جا کر ان کے سرچشمہ صافی سے حاصل کیا تھا ان میں انھوں نے طباعی، جدت ادا اور حسن بیان کا ثبوت دیا ہے۔